شمارہ-93، جمادی الثانی-رجب1448ھ، نومبر-دسمبر2026ء

نصرۃ

ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے اپنائے گئے موقف
عالمی اثرات اور اسلامی نظام کے متبادلات
سوال وجواب: یمن میں عسکری پیش رفت کے پہلو!
مشرقِ وسطیٰ میں پاکستان کو سونپے گئے کردار کا تجزیہ



پاکستان کی فوجی قوت پاکستان اور مشرقِ وسطیٰ کو ریاستِ خلافت کی شکل میں یکجا کرنے کے لیے استعمال ہونی چاہیے

نصرہ میگزین ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کا شائع کردہ میگزین۔

فہرست

ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے اپنائے گئے موقف اور حق پر ثابت قدم رہنے 3

سیاسی فہم اور پالیسی سازی کے لوازم (4): سیاسی فہم میں نقشے کا کردار 19

"ہم جنس پرستی" کی اصطلاح کے ترجمے میں مفہومی ابہام اور اس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر! 30

چین کے اسٹریٹجک وژن کا مطالعہ اور اس کی بین الاقوامی پالیسی میں تبدیلی! 35

صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ رضي الله عنها 48

عالمی اثرات اور اسلامی نظام کے متبادلات کے مابین افراطِ زر اور مانیٹری نظام کی تبدیلیاں 55

سوال وجواب: قرآن کی تفسیر کے مصادر اور ماخذ! 64

سوال وجواب: یمن میں عسکری پیش رفت کے پہلو! 68

پاکستان کی قوت پاکستان اور مشرقِ وسطیٰ کو ریاستِ خلافت کی شکل میں یکجا کرنے کے لیے استعمال ہونی چاہیے . 76

سیلاب اقصیٰ کے تین سال بعد 80

روس کے خلاف سکیورٹی صف بندی اور یورپی جنگی بیانیے میں بڑھتی ہوئی شدت 83

پاکستان کے حکمرانوں نے امت کے دریاؤں کو ہندو دشمن کے حوالے کر دیا ہے 88

قرآنِ کریم کے ساتھ: فاسقین (کھلی نافرمانی کرنے والوں) کی خصلتیں! 94

مشرقِ وسطیٰ میں پاکستان کو سونپے گئے کردار کا تجزیہ 99

ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کے اپنائے گئے موقف، حق پر ثابت قدم رہنے اور حق کو علی الاعلان بیان کرنے والے ہر مسلمان کے لئے مشعلِ راہ رہیں گے

ماهر الدبعي–یمن

آپ رضی اللہ عنہ کا نام، عربی لقب، اور آپؓ کی صفات:

ابو بکر الصدیق عبد اللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر التیمی القرشی (50 ق.ھ - 13ھ / 573م - 634م)۔ ابو بکرؓ کو متعدد القابات سے نوازا گیا، جن میں الصِّدیق، الصاحب، العتیق، الأتقی، الأوَّاہ شامل ہیں۔ ہر لقب ایک ایسی کہانی سے جُڑا ہوا ہے جو ابو بکرؓ کی نیکی، اخلاص، اور فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم، لقب "الصدیق" (یعنی "سچائی کی تصدیق کرنے والا") ان کے ساتھ خاص طور پر جُڑ گیا، کیونکہ یہ لقب اس وقت سامنے آیا جب اہلِ مکہ، جو بت پرست تھے، وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کے انکار اور مخالفت میں مصروف تھے۔ اس موقع پر ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حق پر ہونے کی بھرپور تصدیق کی، جس کی بنا پر انہیں "الصدیق" کہا گیا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل کے دور میں ہی کئی نمایاں صفات کی وجہ سے مشہور تھے، جن میں عربوں کا شجرۂ نسب کا علم اور عرب کی تاریخ کا علم ہونا سرفہرست ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **«فَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ أَعْلَمُ قُرَيْشٍ بِأَنْسَابِهَا»** "قریش کے نسب کو سب سے بہتر جاننے والے ابو بکر ہیں"۔ (صحیح مسلم)

ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک تاجر تھے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وہ خوش اخلاق، دیانت دار اور نیک نام تاجر تھے۔ ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس مختلف وجوہات کی بنا پر آتے تھے، ان کے علم، ان کی تجارت، اور ان کی بہترین صحبت کی بنا پر دوستی کرتے تھے"۔ ان کا سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ بعض نے ان کے بارے میں کہا کہ مکہ کے لوگ ان کے ساتھ بیٹھنے کو پسند کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ نہایت خوش گفتار، ذہین، بردبار، نرم مزاج، سخی، صادق، منکسر المزاج، خوددار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبل اسلام (زمانۂ جاہلیت) کے ان افعال میں کبھی حصہ نہ لیا، جن میں لوگ مبتلا تھے، جیسے کہ بتوں کو سجدہ کرنا، شراب نوشی کرنا، اور غربت کے خوف سے اولاد کو قتل کر دینا۔ وہ اپنی قوم کی مجالس میں بھی شریک نہ ہوا کرتے تھے سوائے اس کے کہ اگر وہ مجالس صرف اچھے اخلاق اور اعلیٰ اقدار کی بنیاد پر ہوتیں۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات بہادری کے کارناموں سے بھرپور اور ایمان کی خوشبو سے معطر ہے۔ ان کی شخصیت قابلِ تعریف صفات سے گھری ہوئی اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ تھی۔ وہ ایمان لانے والے سب سے پہلے شخص تھے، اور سب سے پہلے دعوتِ دین دینے والے بھی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا، اور دین کی سربلندی کے لئے مال خرچ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اذیت برداشت کی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے قریبی ساتھی، آپ ﷺ کے سفر کے ہمراہ، آپ ﷺ کے احوال کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے، آپ ﷺ کے رازدار، اور آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب انسان تھے۔ انہوں نے مصیبتوں اور آزمائشوں کے وقت جرأت مندانہ فیصلے کیے۔ وہ اسلام کے پہلے خلیفہ، دین کے محافظ، عقیدہ اور شریعت کے احکام کا دفاع کرنے والے، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تدوین کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نہایت متقی، محبوب، بہادر، رحم دل، نرم خو، ثابت قدم، ذہین اور بصیرت رکھنے والے تھے۔ اگر ہم ان کی صفات کو مختصر طور پر بیان کریں، تو یوں کہیں گے کہ کوئی فضیلت یا قابلیت ایسی نہ تھی جس میں ان کا حصہ نہ ہو، اور نہ ہی کوئی نیک عمل ایسا تھا جس میں سبقت حاصل کرنے کی انہوں نے کوشش نہ کی ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ صَائِماً؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَا، قَالَ ﷺ، فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَا، قَالَ ﷺ فَمَنْ أَطْعَمَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ مِسْكِيناً؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْه، أَنَا، قَالَ ﷺ، فَمَنْ عَادَ مِنْكُمْ الْيَوْمَ مَرِيضاً؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، مَا اجْتَمَعْنَ فِي امْرِئٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ»** "تم میں سے آج کس نے روزہ رکھا؟" ابو بکرؓ نے عرض کیا: "میں نے"۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "آج تم میں سے کس نے جنازے کے ساتھ شرکت کی؟" ابو بکرؓ نے عرض کیا: "میں نے"۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "تم میں سے کس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟" ابو بکرؓ نے عرض کیا: "میں نے"۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "تم میں سے کس نے آج کسی مریض کی عیادت کی؟" ابو بکرؓ نے کہا: "میں نے"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص میں یہ تمام نیکیاں جمع ہو جائیں، وہ یقیناً جنت میں داخل ہو گا"۔ (صحیح مسلم)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جرأت مندانہ مؤقف ہر مسلمان کے لئے ایک مشعلِ راہ کی مانند ہیں، جو اُسے حق پر ڈٹے رہنے اور اللہ کے کلمے کو ہر حال میں بلند کرنے کا حوصلہ دیتے ہیں، چاہے حالات کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ مثالی کردار ہیں، جن سے ہم صبر، تدبر، اور مشکل حالات میں حکمت سے قیادت کرنے کا سبق سیکھ سکتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ دعا میں اخلاص، اور دینِ حق کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا اور اسلام میں ان کا سبقت لے جانا:

جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے قریبی دوست ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی۔ ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کا جواب دینے میں ذرہ بھر بھی نہ تو کوئی ہچکچاہٹ دکھائی، نہ شک کیا، اور نہ ہی کسی تاخیر کا مظاہرہ کیا۔ وہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے، جبکہ علی رضی اللہ عنہ نوجوانوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، تو رسول اللہ ﷺ کو اس پر بہت خوشی ہوئی۔ ابن کثیرؒ کے مطابق، الحافظ أبو الحسن الأطرابلسي نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: "ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے نکلے۔ وہ قبل اسلام کے دور سے ہی آپ ﷺ کے دوست تھے۔ جب ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کو ملے تو ابو بکرؓ نے کہا: "اے ابو القاسم! تم اپنی قوم کی مجالس سے غائب رہتے ہو۔ انہوں نے تم پر الزام لگایا ہے کہ تم نے ان کے باپ دادا اور ماؤں کی توہین کی ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنِّي رَسُولُ اللهِ أَدْعُوكَ إِلَى اللهِ» "بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، اور تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں"۔ ابھی آپ ﷺ نے اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ ابو بکرؓ سے جدا ہوئے، تو دونوں شخصیات میں سے آپ ﷺ سے زیادہ خوش کوئی نہ تھا جسے ابو بکرؓ کے اسلام میں داخل ہونے کی خوشی ہوئی ہو"۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو بکرؓ کے ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: «مَا دَعَوْتُ أَحَداً إِلَى الْإِسْلَامِ إِلَّا كَانَتْ عِنْدَهُ كَبْوَةٌ وَتَرَدُّدٌ وَنَظَرٌ، إِلَّا أَبَا بَكْرٍ، مَا عَكَمَ مِنْهُ حِينَ ذَكَرْتُهُ وَمَا تَرَدَّدَ فِيهِ» "میں نے جب بھی کسی کو اسلام کی دعوت دی، تو اس میں کچھ نہ کچھ ہچکچاہٹ، تذبذب یا سوچ بچار ضرور ہوتی تھی، سوائے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے۔ جب میں نے ان کے سامنے اسلام کا ذکر کیا، تو انہوں نے (اسلام قبول کرنے کے اپنے فیصلہ میں) نہ کوئی 'عکم' (ہچکچاہٹ) کیا اور نہ ہی کوئی تامل کیا"۔ یہاں "عکم" کا مطلب تاخیر، مؤخر کرنا یا کسی چیز کو ٹالنا ہے، جیسا کہ ابن ہشامؒ نے بیان کیا ہے۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي، هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي؟ إِنِّي قُلْتُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً، فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتَ» "کیا تم لوگ میرے لئے میرے ساتھی ابو بکر کو چھوڑ دو گے؟ کیا تم لوگ میرے لئے میرے ساتھی کو چھوڑ دو گے؟ جب میں نے کہا: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو تم لوگوں نے کہا: تم نے جھوٹ کہا، جبکہ ابو بکرؓ اکیلے وہ تھے جنہوں نے کہا: آپؐ نے سچ کہا"۔ (صحیح بخاری)

اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کو کرۂ ارض پر موجود تمام انسانوں کے ایمان کے ساتھ پلڑے میں ڈالا جائے، تو ابو بکرؓ کا ایمان وزن میں بھاری ہو گا۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: **«رَأَيْتُ آنِفاً كَأَنِّي أُعْطِيتُ الْمَقَالِيدَ وَالْمَوَازِينَ، فَأَمَّا الْمَقَالِيدُ فَهَذِهِ الْمَفَاتِيحُ، وَأَمَّا الْمَوَازِينُ فَهِيَ الَّتِي تَزِنُونَ بِهَا، فَوُضِعْتُ فِي كِفَّةٍ وَوُضِعَتْ أُمَّتِي فِي كِفَّةٍ فَرَجَحْتُ بِهِمْ، ثُمَّ جِيءَ بِأَبِي بَكْرٍ فَرَجَحَ، ثُمَّ جِيءَ بِعُمَرَ فَرَجَحَ، ثُمَّ جِيءَ بِعُثْمَانَ فَرَجَحَ، ثُمَّ رُفِعَتْ، قَالَ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ، فَأَيْنَ نَحْنُ؟ قَالَ، حَيْثُ جَعَلْتُمْ أَنْفُسَكُمْ»** "میں نے (خواب میں) دیکھا کہ مجھے چابیاں اور ترازو دیے گئے۔ جہاں تک چابیوں کا تعلق ہے، وہ اختیارات کی علامت ہیں، اور ترازو وہ ہے جس سے وزن کیا جاتا ہے۔ پھر مجھے ایک پلڑے میں رکھا گیا، اور میری امت کو دوسرے پلڑے میں رکھا گیا، تو میں اپنی امت پر بھاری ثابت ہوا۔ پھر ابو بکرؓ کو لایا گیا، تو وہ بھی امت پر بھاری نکلے۔ پھر عمرؓ کو لایا گیا، وہ بھی امت پر بھاری ہوئے۔ پھر عثمان کو لایا گیا، وہ بھی بھاری ہوئے۔ پھر ترازو اٹھالی گئی۔ ایک آدمی نے (یہ سن کر) کہا: تو پھر ہم کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تم نے اپنے آپ کو رکھا (وہیں تم ہو)"۔ (ابن شیبہ، اور طبرانی)

ابو بکر صدیقؓ کا اسلام کی دعوت دینا اور اسلام کے بارے میں ان کا موقف:

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلامی دعوت کے ایک منفرد حامی تھے، جو کہ ان کے بہت سے اعمال اور ان کے موقف سے ظاہر ہوتا ہے۔ ابو بکرؓ نے اللہ سبحانہ وتعالی کی راہ میں دعوت دی اور ان کی دعوت کے نتیجے میں کئی جلیل القدر صحابہؓ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، جن میں الزبیر بن عوامؓ، عثمان بن عفانؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، عثمان بن مظعونؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ اور ارقم بن ابی الارقمؓ شامل ہیں۔ ابو بکرؓ نے اپنے گھر والوں کو بھی اسلام کی دعوت دی، چنانچہ ان کی بیٹیاں اسماءؓ اور عائشہؓ، ان کا بیٹا عبد اللہ، ان کی اہلیہ اُم رُمان، اور ان کے خادم عامر بن فهيرة نے اسلام قبول کیا۔

ابو بکر صدیقؓ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں اعلانیہ طور پر حق کی دعوت دینے اور اہل ایمان کے كتلة (تنظیم) کو منظم انداز میں سامنے لانے کا مشورہ دیا۔ ابن کثیرؒ نے البداية والنهاية میں ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ جمع ہوئے، اور ان کی تعداد اُس وقت 38 مردوں پر مشتمل تھی، تو ابو بکرؓ نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ وہ اعلانیہ طور پر دین کی دعوت دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّا قَلِيلٌ»** "اے ابو بکر! ہم ابھی تعداد میں کم ہیں"۔ لیکن ابو بکرؓ اصرار کرتے رہے، یہاں تک رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں آئے اور مسلمان اپنے قبیلہ کے مطابق کعبہ کے مختلف کونوں میں پھیل گئے۔ ابو بکرؓ نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر خطاب کیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ ابھی تشریف فرما تھے۔ چنانچہ وہ اسلام کی دعوت کو اعلانیہ پیش کرنے والے پہلے خطیب بنے۔ اس پر مشرکین مکہ نے ابو بکرؓ اور دیگر مسلمانوں پر حملہ کر دیا، اور ابو بکرؓ کو

سختی سے مارا پیٹا گیا اور پاؤں تلے روند ڈالا گیا۔ عتبہ بن ربیعہ، ابو بکر صدیقؓ کے قریب آیا اور اس نے چمڑے کے دو جوتوں سے انہیں مارنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ وہ جوتے سے اُن کے چہرے پر مارتا رہا۔ پھر وہ ابو بکرؓ کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اتنی شدت سے ان کے چہرے پر مارا کہ چہرہ بگڑ گیا حتیٰ کہ چہرے اور ناک سے ان کو پہچاننا مشکل تھا۔ جب بنو تیم (ابو بکرؓ کا قبیلہ) کو اس کی خبر ہوئی تو وہ دوڑتے ہوئے آئے، جس پر مشرکین ابو بکرؓ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بنو تیم نے ابو بکرؓ کو ایک چادر میں لپیٹا اور انہیں ان کے گھر لے آئے، اور ان کے بارے میں انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ان کی موت قریب ہے۔ پھر بنو تیم واپس مسجد الحرام آئے اور قسم کھا کر کہا: ''اللہ کی قسم! اگر ابو بکر انتقال کر گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے''۔ پھر وہ ابو بکرؓ کے پاس واپس آئے، ان کے والد ابو قحافہ اور قبیلہ بنو تیم اس وقت تک ان سے بات کرتے رہے یہاں تک کہ ابو بکرؓ نے دن کے آخر میں ہوش میں آ کر بولنا شروع کر دیا۔ ان کی زبان سے سب سے پہلا سوال یہ نکلا: ''رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟'' اس پر لوگوں نے انہیں سخت ملامت کی اور زبان سے برا بھلا کہا، اور ان کی والدہ اُمّ الخیر سے کہا: ''ان کو کچھ کھلاؤ یا پانی پلاؤ''۔ جب ابو بکرؓ اور ان کی والدہ اُمّ الخیر اکیلے ہوئے تو اُن کی والدہ نے اُنہیں ملامت کی، جبکہ وہ مسلسل یہی پوچھتے رہے: ''رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟'' تو اُن کی والدہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے تمہارے ساتھی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں''۔ اس پر ابو بکرؓ نے فرمایا: ''آپ جائیں، أم جميل بنت خطاب کے پاس جائیں اور اُن سے نبی ﷺ کے بارے میں پوچھیں''۔ چنانچہ وہ باہر نکلیں یہاں تک کہ أم جميل کے پاس پہنچیں، جو اُس وقت اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں۔ اُمّ الخیر نے ان سے کہا: ''ابو بکر تم سے محمد بن عبد اللہ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں''۔ أم جميل نے جواب دیا: ''مجھے ابو بکر اور محمد بن عبد اللہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلوں؟'' اُمّ الخیر نے کہا: ''ہاں''۔ پھر أم جميل اُن کے ساتھ چلیں، یہاں تک کہ ابو بکرؓ کے پاس پہنچیں، جو بے حس و حرکت پڑے تھے۔ اُمّ جمیل آگے بڑھیں اور بلند آواز سے رونے لگیں اور کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! جن لوگوں نے تمہیں تکلیف دی ہے، وہ یقینی طور پر فاسق اور کافر لوگ ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے اُن سے انتقام لے گا''۔ ابو بکرؓ نے پوچھا: ''پھر رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟'' أم جميل نے کہا: ''یہ تمہاری والدہ سن رہی ہیں''۔ تو ابو بکرؓ نے ان کے بارے میں کہا: ''میری والدہ کے بارے میں فکر نہ کرو''۔ أم جميل نے کہا: ''وہ ﷺ بخیر و عافیت ہیں''۔ ابو بکرؓ نے پوچھا: ''وہ کہاں ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''وہ اس وقت دارِ اَرقم میں ہیں''۔ اس پر ابو بکرؓ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اُس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا، جب تک رسول اللہ ﷺ کو دیکھ نہ لوں''۔

چنانچہ وہ اس وقت تک انتظار کرتے رہے جب تک کہ مجمع پر سکون نہ ہو گیا، پھر وہ حضرت ابو بکرؓ کو سہارا دے کر لے گئیں، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ ان پر جھکے اور ان کو بوسہ دیا، اور مسلمان بھی ان کے ساتھ آگے بڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس حالت پر دکھ کا اظہار کیا۔ ابو بکرؓ نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی تکلیف نہیں، سوائے اُس ظلم کے جو اُس بدبخت نے میرے چہرے پر کیا۔ یہ اپنے بیٹے کے ساتھ نیک سلوک

کرنے والی میری والدہ ہیں۔ آپ مبارک ہستی ہیں، پس انہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیں اور ان کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کریں، شاید اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپؐ کے ذریعے انہیں جہنم کی آگ سے نجات دے دے"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی، انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگی، اور وہ ایمان لے آئیں۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ کے اذیت دیئے جانے کا علم ہوا، جو امیہ ابن خلف کے غلام تھے، تو وہ اذیت دینے کی جگہ پر گئے، امیہ سے معاملات طے کئے، اور بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر اللہ کی رضا کے لئے آزاد کر دیا۔ انہوں نے دیگر کئی مردوں اور عورتوں کے ساتھ بھی ایسے ہی معاملات کئے جو اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ انہوں نے انہیں بھی خرید کر آزاد کیا، جن میں عامر بن فهيرة، اور أم عبيس (يا أم عميس)، اور زنيرة شامل ہیں۔ انہوں نے النهدية اور ان کی بیٹی کو بھی آزاد کیا، اور بني مؤمل کی ایک مسلمان لونڈی لبينة کو بھی خرید کر آزاد کیا۔

ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت:

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی بننے کے شدید خواہشمند تھے اور انہوں نے اس کے لئے تیاری بھی کر رکھی تھی۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک مالدار شخص تھے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: **«لَا تَعْجَلْ، لَعَلَّ اللهَ يَجِدُ لَكَ صَاحِباً»** "جلدی نہ کرو، شاید اللہ تمہارے لئے ایک ساتھی مقرر فرمادے"۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امید ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے خود اپنی ذات مراد لے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے دو اونٹنیاں خریدیں اور انہیں اپنے گھر میں رکھا، اور اس سفر کی تیاری کے لئے ان کی خوب دیکھ بھال کی۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی، تو آپ ﷺ نے کچھ بھی لئے بغیر اپنے گھر کو چھوڑا، حالانکہ لوگ آپ کو قتل کرنے کے لئے جمع ہو چکے تھے، اور سیدھے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر صبح یا شام کے وقت ضرور تشریف لایا کرتے تھے۔ جب وہ دن آیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دی، تاکہ وہ مکہ سے اپنی قوم کے درمیان سے نکل جائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے، ایسے وقت میں جس میں آپ ﷺ عام طور پر نہیں آیا کرتے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نہیں آتے، ضرور کوئی اہم معاملہ درپیش آیا ہے"۔ جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا بستر آپ ﷺ کے لئے خالی کر دیا، پس رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے، اور اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ گھر میں صرف میں اور میری بہن اسماء بنت ابی بکر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: «أَخْرِجْ عَنِّي مَنْ عِنْدَكَ» "ان لوگوں کو میرے پاس سے ہٹادو جو تمہارے ساتھ ہیں"۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! یہ میری دونوں بیٹیاں ہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا معاملہ ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ قَدْ أَذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ وَالْهِجْرَةِ» "اللہ تعالیٰ نے مجھے (مکہ سے) نکلنے اور ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے"۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، کیا میں (آپ کی) رفاقت میں ہوں گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: «الصُّحْبَةَ» "(ہاں،) تمہاری رفاقت میں"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "اللہ کی قسم! اس دن سے پہلے میں نے کبھی کسی کو خوشی میں روتے نہیں دیکھا تھا، یہاں تک کہ میں نے ابو بکر کو اس دن خوشی سے روتے ہوئے دیکھا"۔ (حوالہ: البداية والنهاية، ابن كثير)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال، جو کہ اسماء بنت ابی بکرؓ کے بیان کے مطابق پانچ یا چھ ہزار تھا، لے لیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غارِ ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا مال اور جان، دونوں رسول اللہ ﷺ کے لئے قربان کر دیے، اور پوری احتیاط کے ساتھ اس بات کا خیال رکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف یا مصیبت نہ پہنچے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: "عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں چند لوگ ایسے گفتگو کر رہے تھے گویا وہ عمر رضی اللہ عنہ کو ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فوقیت دے رہے ہوں۔ جب یہ بات عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی، تو انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! ابو بکر کی ایک رات آلِ عمر سے بہتر ہے، اور ابو بکر کا ایک دن آلِ عمر سے بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ (ہجرت کے وقت) غار ثور کی طرف روانہ ہوئے اور ابو بکر ان کے ہمراہ تھے۔ ابو بکر کبھی رسول اللہ ﷺ کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلنے لگتے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دیکھا تو ان سے پوچھا: «يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا لَكَ تَمْشِي سَاعَةً بَيْنَ يَدَيَّ، وَسَاعَةً خَلْفِي؟» "اے ابو بکر! کیا بات ہے کہ تم کبھی میرے آگے اور کبھی میرے پیچھے چلتے ہو؟" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! جب مجھے دشمن کے تعاقب کا خیال آتا ہے تو آپ کے پیچھے چلتا ہوں (تاکہ آپ پر حملہ نہ ہو)، اور جب مجھے تاک میں بیٹھنے والوں (یعنی گھات لگانے والوں) کا خطرہ یاد آتا ہے تو آپ کے آگے چلتا ہوں (تاکہ آپ کو بچا سکوں)"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ، لَوْ كَانَ شَيْءٌ لَأَحْبَبْتَ أَنْ يَكُونَ بِكَ دُونِي؟» "اے ابو بکر! اگر کوئی مصیبت واقع ہونی ہو تو کیا تم چاہتے ہو کہ وہ تم پر آئے اور مجھ پر نہ آئے؟"، ابو بکرؓ نے کہا: "جی ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کو کوئی بھی تکلیف پہنچے، بلکہ چاہتا ہوں کہ وہ مصیبت مجھ پر آجائے اور آپ محفوظ رہیں"۔ جب وہ دونوں غار کے پاس پہنچے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہاں ٹھہر جائیں یہاں تک کہ میں غار کو صاف کر لوں"۔ چنانچہ وہ اندر داخل ہوئے اور غار کو صاف کیا، اور جب اوپر پہنچے تو انہیں یاد آیا کہ انہوں نے ایک کونے کو صاف نہیں کیا۔ تو وہ کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول ﷺ! ابھی یہاں ٹھہر جائیں، میں اس کونے کو بھی صاف کر لوں"۔ پھر وہ دوبارہ داخل ہوئے، صفائی کی، اور پھر کہا: "اب آجائیے، اے اللہ کے رسول

ﷺ"۔ تو نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ رات آلِ عمر سے بہتر تھی"۔ (صحیح حدیث)

مشرکین نے نبی اکرم ﷺ کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کیا یہاں تک کہ وہ جبلِ ثور تک پہنچ گئے اور غار تک جا پہنچے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مدد سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت ہوئی اور وہ ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹ گئے۔

ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں، "جب ہم غار میں تھے تو میں نے نبی اکرم ﷺ سے کہا، "اگر ان میں سے کوئی نیچے اپنے قدموں کی طرف ہی دیکھ لے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا"۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا، **«مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا؟»** "اے ابو بکر! تمہارا ان دو افراد کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی (خود) اللہ ہے؟" (بخاری)۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں قرآنِ مجید میں وحی نازل فرمائی، جو روزِ قیامت تک تلاوت کی جاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾** "اگر تم ان (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کی مدد فرما چکا ہے جب کافروں نے انہیں ان کے (وطن سے) نکال دیا تھا، جبکہ یہ دو میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، تو اللہ نے اس پر اپنی تسکین نازل فرمائی، اور ان لشکروں کے ساتھ اس کی مدد فرمائی جو تم نے نہ دیکھے، اور اس نے کافروں کی بات کو نیچے کر دیا اور اللہ کا کلمہ ہی بلند و بالا ہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے"۔ (التوبہ؛9:40)

رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ تین راتوں تک غار میں مقیم رہے، پھر جب ان کی تلاش کا زور کم ہوا تو وہ روانہ ہو گئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھی، آپ ﷺ کے معاون وزیر اور رسول اللہ ﷺ کے ترکش کا ایک تیر:

ابو بکر صدیقؓ نبی اکرم ﷺ کے سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہنے والے ساتھی تھے۔ وہ آپ ﷺ کے وزیر، مشیر، رفیق اور لوگوں میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کبھی کوئی ایک بھی غزوہ نہیں چھوڑا۔ غزوہ تبوک کے موقع پر انہوں نے اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کر دیا اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ بھی نہ

چھوڑا۔ ابو بکرؓ نے اللہ بزرگ و برتر کی رضا کی طلب میں خود کو بیچ دیا تھا۔ وہ نیکی کے کاموں میں سبقت لے جانے میں اس قدر آگے ہوتے تھے کہ ان کے ساتھی تھک جاتے اور یہ مان لیتے کہ وہ ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

ابو بکرؓ ان لوگوں میں سے تھے جو نبی اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ ﷺ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔

بخاری اور مسلم نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: **«إِنَّ عَبْداً خَيَّرَهُ اللهُ بيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِن زَهْرَةِ الدُّنْيا ما شاءَ، وبيْنَ ما عِنْدَهُ، فاخْتارَ ما عِنْدَهُ»** "اپنے ایک نیک بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ دنیا کی نعمتوں میں سے جو وہ چاہے اسے اپنے لیے پسند کر لے یا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے (آخرت میں) اسے پسند کر لے۔ اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے پاس ملنے والی چیز کو پسند کر لیا"۔ یہ سن کر ابو بکرؓ رونے لگے اور کہنے لگے: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!" ہم لوگ ان کے رونے پر حیران ہوئے، اور لوگوں نے کہا: "اس بزرگ آدمی کو دیکھو! رسول اللہ ﷺ تو ہمیں ایک بندے کے بارے میں بتا رہے ہیں جسے دنیا کی نعمتوں اور اللہ کے پاس موجود چیزوں میں سے انتخاب دیا گیا، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ 'میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!'"، ابو سعیدؓ مزید فرماتے ہیں: "دراصل رسول اللہ ﷺ خود وہ بندے تھے جنہیں یہ اختیار دیا گیا تھا، اور ابو بکرؓ ہم سب میں سب سے بہتر طور پر اس بات کا مفہوم سمجھنے والے تھے"۔ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إِنَّ مِن أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ في صُحْبَتِهِ ومالِهِ أبا بَكْرٍ، ولو كُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِيلاً مِن أُمَّتِي لاتَّخَذْتُ أبا بَكْرٍ، إلَّا خُلَّةَ الإسلام، لا يَبْقَيَنَّ في المَسْجِدِ خَوْخَةٌ إلَّا خَوْخَةُ أبِي بَكْرٍ»** "لوگوں میں سب سے زیادہ اپنی صحبت اور مال کے ذریعہ مجھ پر احسان کرنے والے ابو بکر ہیں۔ اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا خلیل بنا سکتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ ہمارا باہمی رشتہ اسلامی بھائی چارے کا ہے۔ مسجد النبوی میں کوئی خوخہ (دروازہ) اب کھلا ہوا باقی نہ رکھا جائے سوائے ابو بکر کے گھر کی طرف کھلنے والے دروازے کے"۔ (صحیح بخاری)۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ "الخوخة" ایک چھوٹا دروازہ یا کھڑکی نما راستہ ہوتا ہے جو دو گھروں کے درمیان بنایا جاتا ہے اور اس پر دروازہ نصب ہوتا ہے۔

ابو بکر صدیقؓ مشکل صورتحال اور فیصلہ کن لمحات میں مردِ مومن تھے:

یہ ان کی زندگی کے کئی مواقع پر ظاہر ہوا، جن میں سب سے اہم موقع رسول اللہ ﷺ کے وصال کا تھا، جب انہوں نے انتہائی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح مرتدین اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف قتال کرنے پر ان کا اٹل فیصلہ بھی شامل ہے، جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کا تحفظ ممکن ہوا اور دین اسلام اور اس کے شرعی احکام کی حفاظت ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کا وصال:

رسول اللہ ﷺ کے وصال کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت گہرا اثر ہوا، وہ شدید صدمے، حیرت اور اضطراب کی حالت میں تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جو کچھ کہنے کی بھی ہمت نہ کر پا رہے تھے، کچھ ساکت ہو کر گر گئے اور اٹھنے کی ہمت نہ کر سکے، اور بعض تو رسول اللہ ﷺ کے انتقال کو ماننے پر ہی تیار نہ تھے۔ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر ملی اور وہ اس وقت وہاں موجود نہ تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: "رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور ابو بکرؓ سُنح کے علاقے میں تھے"۔ اس دوران عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا!"، پھر عمر نے کہا، 'اللہ کی قسم! مجھے اس کے سوا کچھ سمجھ نہیں آتا کہ اللہ ضرور انہیں دوبارہ اٹھائے گا، اور وہ بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے"۔

پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور نبی کریم ﷺ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا، پھر انہیں بوسہ دیا اور کہا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ زندگی میں بھی بہترین تھے اور موت میں بھی بہترین ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی دوبارہ موت کا ذائقہ نہیں چکھائے گا"۔ پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر آئے اور کہا: "اے قسم کھانے والو! جلدی نہ کرو"۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بات شروع کی تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: "جس نے محمد ﷺ کی عبادت کی ہو، تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو، تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ حي القيوم ہے اور اسے کبھی موت نہیں آ سکتی"۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿**إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ**﴾ "یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مر جانے والے ہیں" (سورۃ الزمر:30) اور یہ آیت بھی پڑھی: ﴿**وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللهُ الشَّاكِرِينَ**﴾ "اور محمد (ﷺ) صرف ایک رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، تو کیا اگر وہ وصال کر جائیں یا یہ شہید ہو جائیں، تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے تو ہرگز اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا، اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا" (آل عمران؛3:144)، تو (یہ سن کر) لوگ زار و قطار رونے لگے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت:

جونہی لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر ملی، تو انصار اکٹھے ہوئے تاکہ سعد بن عبادہؓ کو رسول اللہ ﷺ کے جانشین کے طور پر بیعت کریں۔ ابو بکرؓ، عمر بن خطابؓ اور ابو عبیدہؓ کو انصار کے اس اجتماع کی خبر ملی، تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ گئے تاکہ انصار

کے فیصلے کو روکا جاسکے۔ انہوں نے انصار کے سامنے مہاجرینِ قریش اور ابو بکرؓ کی خلافت کے حق میں دلائل پیش کیے۔ چنانچہ سقیفہ میں موجود لوگوں نے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اور ابو بکرؓ نے مسلمانوں کا خلیفہ بننے پر حامی بھرلی تاکہ مسلمانوں کو متحد اور ان کے امور کو یکجا کیا جاسکے۔

ابو بکرؓ نے خلافت قبول کرتے وقت عاجزی کے ساتھ ایک خطبہ دیا اور فرمایا: "اللہ کی قسم! میں کسی بھی دن یا رات امارت کا خواہشمند نہ تھا، نہ ہی میں کبھی اس کا طالب رہا، اور نہ ہی میں نے کبھی خفیہ یا اعلانیہ اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کیا۔ بلکہ میں تو اس آزمائش سے خوفزدہ تھا، میرے لیے اس امارت میں کوئی راحت نہیں ہے، بلکہ مجھ پر ایک عظیم ذمہ داری ڈال دی گئی ہے جس کے لئے میرے پاس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قوت کے سوا کوئی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ میں ترجیح دیتا کہ لوگوں میں سے کوئی اور شخص، جو مجھ سے زیادہ قوی ہو، یہ منصبِ خلافت سنبھالے"۔ (اسے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دی گئی بیعت دراصل رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے قیام کا اعلان تھی، اور اسی کے ساتھ خلیفہ کے تقرر کے طریقہ کار یعنی بیعتِ انعقاد اور یہ بیعت رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک سیاسی نظام یعنی خلافتِ راشدہ کے استحکام کا ذریعہ بنی۔ ابو بکر صدیقؓ نے بطور پہلے خلیفہ، اس ذمہ داری کو بڑی صلاحیت اور مہارت کے ساتھ نبھایا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ، خلیفة للمسلمین:

ابو بکرؓ کی خلافت دو سال اور تین ماہ پر محیط رہی۔ اگرچہ یہ مدت مختصر تھی، مگر یہ عظیم کارناموں اور اہم کاموں سے بھرپور تھی، جیسے کہ نظام حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنا، ارتداد اور بغاوت کا خاتمہ کرنا، اور فارس و روم کی سرزمینوں میں اسلامی دعوت کو پھیلانے کے لئے کام کرنا۔ یہ تمام کام ایک ہی وقت میں انجام دیے گئے، جن میں فتوحات اور اسلامی دعوت کی ترویج شامل تھی۔

منصبِ خلافت سنبھالتے وقت ابو بکر صدیقؓ کا خطبہ:

منصبِ خلافت سنبھالتے وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیا گیا پہلا خطبہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد داخلی پالیسی اور رعایا و حکمران کے باہمی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ اس خطبہ میں خلیفہ کا رعایا پر حق اور رعایا کا خلیفہ پر حق بیان کیا گیا، اور خارجہ پالیسی کا بھی تعین کیا گیا جو جہاد کے ذریعے دعوت اسلام کے فروغ پر مبنی تھی۔ اگرچہ یہ خطبہ مختصر تھا، لیکن اس نے اسلامی ریاست کی بنیادوں اور اس کے طریقہ کار کو واضح انداز میں بیان کر دیا تھا۔

ابو بکرؓ نے فرمایا: "أما بعد! اے لوگو! مجھے تم پر خلیفہ مقرر کیا گیا ہے، حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں درست عمل کروں تو میری مدد کرو، اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کرو۔ حق ایک امانت ہے اور جھوٹ دغا ہے۔ تم میں جو کمزور

ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے واپس دلا دوں، إن شاء اللہ۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق واپس لے لوں، إن شاء اللہ۔ جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد کو چھوڑ دیتی ہے، اللہ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے، اللہ انہیں مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں، میری اطاعت کرو۔ لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کرنا فرض نہیں۔ اپنی نمازوں کے لئے کھڑے ہو جاؤ، اللہ تم پر رحم فرمائے"۔ (ابن الأثیر نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

ریاست کے امور کا انتظام:

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ریاست کے امور کو بے مثال مہارت، پیشہ ورانہ صلاحیت اور بصیرت انگیزی کے ساتھ سنبھالا۔ وہ اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ والیوں کو نہ ہٹایا جائے۔ انہوں نے حکومتی ڈھانچے کو اسی حالت میں برقرار رکھا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا۔ انہوں نے اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں عسکری مہم کو مکمل کرنے پر اصرار کیا، حالانکہ اس وقت ریاست کو سنگین خطرات لاحق تھے۔ انہوں نے زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں اور مرتدین کی بغاوتوں کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا، جبکہ فوجیوں کی قلت کے باوجود، منفرد سیاسی حکمت عملی کے ذریعے ایک عظیم مدبر کا کردار ادا کیا۔

اسامہ بن زیدؓ کی فوج اور ارتداد کی جنگیں:

جب صحابہؓ نے ابو بکرؓ کو خلیفہ منتخب کیا تو ان کی حکومت کو کئی شدید چیلنجز کا سامنا تھا۔ مشکل ترین حالات کے باوجود، وہ اسلامی امت کی وحدت کو برقرار رکھنے اور ریاست کو مضبوط کرنے میں کامیاب رہے۔

ارتداد کی جنگیں:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد، کچھ عرب علاقوں میں بعض لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے۔ تاہم، ابو بکر صدیقؓ نے اس ارتداد کے خلاف مضبوط موقف اختیار کیا اور مرتدین سے قتال کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ نہایت جراتمندانہ اور فیصلہ کن تھی، اور اس میں ابو بکرؓ نے دینِ الٰہی اور رسول اللہ ﷺ سے اپنی سچی وفاداری کا عملی ثبوت دیا۔

اس کے علاوہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنے کا حکم بھی دیا، جسے رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے خلاف بھیجنے کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ انہوں نے حکم دیا: "مدینہ میں اسامہؓ کے لشکر کا کوئی بھی سپاہی نہ رکے، بلکہ سب جرف کے مقام پر لشکر گاہ میں پہنچیں"۔ (البداية والنهاية)۔ بعض کُبّار صحابہ کرامؓ نے ابو بکرؓ سے اس لشکر کی روانگی پر

اعتراض کیا اور اس کی بجائے اس لشکر کو ارتداد اور بغاوت سے نمٹنے کے لئے کہا۔ انہوں نے عرض کیا: ”یہ لوگ مسلمانوں کی اکثریت ہیں، اور جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، عرب کے قبائل آپ کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں، لہٰذا آپ کے لئے مناسب نہیں کہ آپ مسلمانوں کی جماعت کو تقسیم کر دیں“۔(البداية والنهاية)

اس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں ابو بکر کی جان ہے، اگر مجھے یہ گمان بھی ہوتا کہ درندے مجھے دبوچ لے جائیں گے، تب بھی میں بالکل ویسے ہی اسامہ کا لشکر ضرور روانہ کرتا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ اور اگر تمام بستیوں میں میرے سوا کوئی نہ بچتا، تب بھی میں اسے ضرور روانہ کرتا!“(تاریخ الطبری)

ابو بکرؓ نے لشکر کو روانہ کیا اور اس کو ہدایات دیں۔ وہ لشکر رومیوں کی سرزمین تک پہنچا اور عظیم فتوحات حاصل کیں، جنہوں نے اسلامی ریاست کے وقار کو مضبوط کیا۔ ایسے نازک حالات میں فوج کی روانگی نے اسلامی ریاست میں موجود مرتدین اور بغاوت کرنے والوں کے دلوں میں رعب اور خوف پیدا کر دیا۔

ابو بکرؓ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سمیت ان جید صحابہ کرامؓ کے اس اعتراض کو رَد کر دیا، کہ اُن لوگوں سے جنگ نہ کی جائے جو زکوٰۃ کو فرض مانتے تھے لیکن ریاست کو ادا کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ ابو بکرؓ ایک صاحبِ بصیرت اور وسعتِ فکر رکھنے والے شخص تھے، اس لئے انہوں نے منکرینِ زکوٰۃ کو ریاست کے خلاف بغاوت، نافرمانی اور دین کو کمزور کرنے کا ذریعہ سمجھا۔ انہوں نے اپنا مشہور قول ارشاد فرمایا: ”کیا دین میں نقص آ جائے گا جبکہ میں ابھی زندہ ہوں؟!“، ابو بکرؓ نے یہ بھی فرمایا: **«وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا» ”اللہ کی قسم! میں ضرور اُن لوگوں سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ زکوٰۃ مال میں سے شریعت کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے بکری کا ایک بچہ (عَناق) بھی دینے سے انکار کریں، جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں ان سے اس پر بھی جنگ کروں گا“** (بخاری)۔ ایک اور روایت میں ابو بکرؓ نے فرمایا: **«وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالاً كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ» ”اللہ کی قسم! اگر وہ ایک اونٹ کی رسی (عِقَال) بھی روک لیں، جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں اُس پر بھی اُن سے قتال کروں گا“**۔ جب عمرؓ نے یہ عزم دیکھا تو فرمایا: ”اللہ کی قسم! جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر کا سینہ قتال کے لئے کھول دیا ہے، تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہی حق ہے“۔(صحیح مسلم)

ابو بکر صدیقؓ مرتدین سے خود لڑنے کا ارادہ رکھتے تھے اور فوج کی قیادت کے لئے باہر نکلے۔ صحابہ کرامؓ نے اُن سے عرض کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہیں تاکہ ریاست کے انتظامی امور کی نگرانی کریں، اور کسی اور کو لشکر کی قیادت سونپ دیں۔ چنانچہ علی بن ابی طالب

رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور آپ کی سواری کی لگام پکڑ لی، اور عرض کیا: ”اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ، آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں آپ کو وہ بات کہوں جو رسول اللہ ﷺ نے اُحد کے روز فرمایا تھا: « **شم سيفك ولا تفجعنا بنفسك** » ”اپنی تلوار کے ساتھ پیش قدمی کرو، لیکن ہمیں اپنی ذات کی جدائی کا دکھ نہ دو“، اللہ کی قسم! اگر ہمیں اس وقت آپ کا صدمہ جھیلنا پڑا تو آپ کے بعد اسلام کا نظام کبھی قائم نہیں رہ سکے گا!“، چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔(البداية والنهاية، ابن كثير)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ ارتداد میں فتح عطا فرمائی، اگرچہ ان جنگوں میں بڑی تعداد میں صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے تھے۔ ان شہداء میں وہ صحابہؓ بھی شامل تھے جو وحی کے کاتب تھے، جنہوں نے قرآنِ مجید کو حفظ کر رکھا تھا اور اس کی کئی آیات اور سورتیں لکھ رکھی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس اہم معاملے کو ابو بکرؓ کے دل میں ڈال دیا، تو انہوں نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ قرآنِ مجید کو جمع کریں، یعنی اس کے وہ حصے جو لکھے جا چکے تھے اور وہ بھی جو صحابہؓ نے حفظ کر رکھے تھے۔ زید بن ثابتؓ نے ابو بکرؓ کی زندگی میں ہی قرآنِ مجید کو ایک مصحف میں جمع کر لیا، جو ان کے نیک اعمال کا ایک بہت بڑا اجر تھا۔

قرآن مجید کا جمع کیا جانا:

ابو بکر صدیقؓ ان اولین افراد میں سے تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد قرآنِ مجید کو جمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہیں خدشہ تھا کہ جنگوں میں ان حفاظِ قرآن کی شہادت کے باعث کہیں قرآن کے کچھ حصے ضائع نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ابو بکرؓ اور عمرؓ نے قرآنِ کریم کو ایک جلد میں جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھنے کی بنیاد رکھ دی۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ایسے وقت میں ایمان، قربانی اور صداقت کی مثال تھے جب آزمائشیں پہلے سے کہیں زیادہ تھیں۔ انہوں نے وہ بلند کردار اور عظیم اقدام پیش کیے جن کی بدولت وہ امت کی تاریخ میں عظیم ترین خلیفہ قرار دیئے گئے، اور ان عظیم شخصیات میں سے ایک نمایاں شخصیت ہیں جن کا نام تاریخ میں عزت و شجاعت کے ساتھ درج ہوا ہے۔ ابو بکرؓ ایک ایسے صحابی کی روشن مثال تھے جو اسلام کی خاطر اپنی جان، مال اور وقت قربان کرنے میں ذرہ بھر بھی تردد نہیں کرتے تھے۔

شام اور عراق کی جانب افواج کی روانگی:

ابو بکر صدیقؓ نے اس موقعے کو جانچ لیا کہ فارس اور روم باہمی تنازعات میں الجھے ہوئے ہیں، تو انہوں نے بیک وقت مشرق اور مغرب کی طرف فتوحات کے لئے لشکر روانہ کیے۔ انہوں نے خالد بن ولیدؓ اور مثنیٰ بن حارثہؓ کو فارس کی طرف روانہ کیا، جہاں انہوں نے فتح حاصل کی اور عراق کے کئی شہروں کو فتح کیا، جن میں انبار، دومۃ الجندل اور الفِراض شامل ہیں اور پھر الحیرہ کو بھی فتح کر لیا۔ اسی طرح ابو بکرؓ نے روم کے علاقے یعنی شام کی طرف بھی لشکر بھیجے، جن کی قیادت یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص، اور شرحبیل بن حسنہ

رضوان اللہ علیہم نے کی۔ مزید کمک کے طور پر ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا گیا۔ ان افواج کا ہدف اردن، فلسطین، دمشق اور حمص جیسے علاقے تھے۔ یَرموک کی مشہور جنگ، مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پیش آئی، اور اس موقع پر خالد بن ولیدؓ نے بھی مسلمانوں کی مدد کے لئے شمولیت اختیار کی۔ اسی جنگ کے دوران مسلمانوں کو خلیفۂ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی، اور پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

خلافت کے لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام:

ابو بکر صدیقؓ نے اسلامی ریاست کو لاحق خطرے کو بھانپ لیا کیونکہ وہ بیک وقت دو بڑی طاقتوں، فارس اور روم کے خلاف جنگیں لڑ رہی تھی۔ اس شدید آزمائش کے وقت مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہونے سے روکنے کے لئے، اور صحابہ کرامؓ سے مشورے کے بعد، انہوں نے عمر بن خطابؓ کو اپنے بعد خلافت کے لئے تجویز فرمایا تاکہ ان کی وفات کے بعد مسلمان انہیں اطاعت کی بیعت دیں۔ انہوں نے اس فیصلے کے بارے میں ایک تحریری فرمان بھی جاری کیا اور اسے لوگوں کو پڑھ کر سنایا، تاکہ وہ اس نازک مرحلے میں ریاست کے بارے میں اپنی فکر کا اظہار کر سکیں۔

عمر رضی اللہ عنہ کو تجویز کئے جانے پر صحابہ کرامؓ کی تشویش:

ابن الاثیرؒ نے روایت کیا ہے کہ بعض صحابہؓ کو عمرؓ کی خلافت کے حوالے سے کچھ اندیشے لاحق تھے۔ جب طلحہ بن عبید اللہؓ کو علم ہوا کہ ابو بکرؓ نے عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ تجویز کیا ہے، تو وہ ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا: ''آپ نے اپنے بعد لوگوں پر عمرؓ کو مقرر کرنے کا انتخاب کیا ہے، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ جب وہ آپ کے ساتھ ہوتے ہیں، تب بھی وہ لوگوں سے کیسے معاملہ کرتے ہیں، تو پھر وہ ان کے ساتھ کیسے معاملہ کریں گے جبکہ وہ اکیلے ہوں گے اور آپ اپنے رب سے جا ملیں گے، اور وہ آپ سے آپ کی امت کے بارے میں سوال کرے گا؟'' یہ سن کر ابو بکرؓ اٹھ کھڑے ہوئے، طلحہؓ کے کندھے کو پکڑا، زور سے جھنجھوڑا اور کہا: ''میرے پاس بیٹھو!'' چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔ ابو بکرؓ نے فرمایا: ''کیا تمہیں میرے بارے میں اللہ سے ڈر ہے؟!'' یعنی، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھ سے زیادہ پرہیز گار ہو، جو میرے لئے اللہ سے خوف محسوس کرتے ہو؟، پھر ابو بکرؓ نے فرمایا: ''جب میں اپنے رب سے ملوں گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا، تو میں کہوں گا: ''میں نے آپ کے بندوں پر، آپ کے بندوں میں سے سب سے بہتر کو خلیفہ مقرر کرنے کا انتخاب کیا تھا''۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے تقویٰ کے باعث نہایت پرہیز گار اور محتاط تھے، یہاں تک کہ انہوں نے خلافت کے عہدے سے کسی قسم کا دنیوی فائدہ حاصل کرنا بھی گوارا نہ کیا، خواہ وہ صرف ایک درہم ہو یا معمولی سامان۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ نے فرمایا: ''جب سے میں نے امیر بننے کی ذمہ داری سنبھالی ہے، تو دیکھ لو کہ میرے مال میں اگر کچھ بھی اضافہ ہوا

ہو تو وہ چیز میرے بعد آنے والے خلیفہ کو بھجوا دو"۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ ان کے پاس صرف ایک حبشی غلام تھا جو خود اپنے ہی بچوں کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا، اور ایک اونٹ تھا جسے باغ کو پانی دینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ ہم نے یہ دونوں چیزیں عمر رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیں۔ عمرؓ یہ دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا: "اللہ ابو بکرؓ پر رحمتیں فرمائے، بے شک انہوں نے اپنے بعد آنے والوں کو سخت آزمائش میں ڈال دیا ہے (یعنی اپنے تقویٰ و زہد کے باعث ان کے لئے معیار بہت بلند کر دیا)"۔ یہ واقعہ ابن الجوزی اور دیگر علماء نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ ایک سرد رات کو غسل کرنے کے بعد بیمار ہو گئے جس سے انہیں بخار ہو گیا جس کی وجہ سے وہ پندرہ دن تک نماز کی ادائیگی کے لئے باہر نہ جا سکے۔ اس دوران انہوں نے عمر بن خطابؓ کو اپنی جگہ جماعت کی امامت کی ہدایت کی۔ یہاں تک کہ وہ پیر اور منگل کی درمیانی شب، 22 جمادی الآخر، 13 ہجری بمطابق 23 اگست 634 عیسوی کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے (الإصابة في تمييز الصحابة، ابن حجر العسقلاني)۔ ان کی وفات سے قبل ان کے آخری الفاظ یہ تھے: "اے اللہ! مجھے مسلمان کی حیثیت سے موت عطا فرما، اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے"۔ یہ کہتے ہی انہوں نے اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے راضی ہو۔ آمین!

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سن کر مدینہ کی فضا سوگ میں ڈوب گئی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے مدینہ نے کبھی ایسا دن نہیں دیکھا جس میں اتنے لوگ، مرد و عورت، اس قدر روتے ہوں جتنا اس شام روئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضرت ابو بکرؓ کے فراق پر شدید غمگین تھے۔ اسی حالت میں علی بن ابی طالبؓ جلدی سے، روتے ہوئے اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے آئے، وہ اُس گھر کے سامنے کھڑے ہو گئے جہاں ابو بکرؓ کا جسدِ خاکی تھا، اور فرمایا: "اللہ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے رفیق اور با اعتبار دوست تھے۔ وہ آپ کو اپنی باتوں کا امین بناتے اور اپنے معاملات میں مشورہ لیتے تھے"۔ پھر انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے بعد امتِ مسلمہ آپ جیسا شخص کبھی نہیں پائے گی۔ آپ دین کے لیے عزت، حفاظت اور پناہ کا ذریعہ تھے۔ اللہ عزوجل آپ کو اپنے نبی محمد ﷺ کے ساتھ ملا دے، اور ہمیں آپ کے بعد آپ کے اجر سے محروم نہ کرے، اور آپ کے بعد ہمیں گمراہی سے بچائے"۔ جب تک علی رضی اللہ عنہ خاموش نہ ہو گئے تو مجمع پر سناٹا چھایا رہا، پھر اچانک لوگ زار و قطار رونے لگے، یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، اور سب نے کہا: "آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے"۔ (التبصرة لابن الجوزي)

فہرست

سیاسی فہم اور پالیسی سازی کے لوازم (4): سیاسی فہم میں نقشے کا کردار

لقمان حرزاللہ

جب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو لازم ہے کہ مطالعہ کرنے والا اس میں سے فائدہ مند چیزوں کو چھانٹے اور غیر مفید چیزوں کو چھوڑ دے۔ اور اس چھانٹنے کا معیار وہ مقصد ہوتا ہے کہ جس کے لئے وہ تاریخ کا مطالعہ کر رہا ہو، اسی مقصد کے ساتھ اس کا تعلق ہو؛ پس اگر وہ ادب اور بلاغت چاہتا ہو تو اپنی قوم کے ادیبوں کی تاریخ میں غوطہ لگاتا ہے، اور اگر اس کی نیت محض تفریح ہو تو وہ اقوام کی دیومالائی کہانیوں کی طرف جا نکلتا ہے، اور اگر محض تجسس اس کا مقصد ہو تو وہ تاریخ میں ان چیزوں کی کھوج میں لگ جاتا ہے جن کا کوئی جواب نہیں مل پاتا۔ لیکن ایک سیاست دان ایسی راہوں پر نہیں چلتا، بلکہ وہ ایسی راہ اختیار کرتا ہے جو اسے اس کے مقصد کی طرف لے جائے؛ اور وہ مقصد ہے: سیاست یعنی زمانۂ ماضی میں امور کی دیکھ بھال کا مطالعہ۔

تاریخ:

اقوام، ریاستوں اور قائدین کی تاریخ دراصل ان حالات وواقعات کی خبریں ہوتی ہیں جو امور کی نگرانی اور حالات کی تبدیلی سے متعلق وقوع پذیر ہوئی تھیں۔ جو کہ اس دَور کے سیاسی واقعات ہوا کرتے تھے، اور جو آج تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ اقوام، ریاستوں اور قائدین کی تاریخ کا مطالعہ کرنا مختلف پہلوؤں سے خاصا فائدہ مند ہوتا ہے۔ قائدین کی تاریخ اُس سیاست دان کی بصیرت کو روشن کرتی ہے جو عملاً سیاست میں سرگرم ہو، کیونکہ جب وہ سیاستدان ان قائدین کے اقدامات کا مطالعہ کرتا ہے جنہوں نے واقعات کے دھارے کو موڑ دیا، اپنی قوم کو بحرانوں سے باہر نکالا، یا اپنی اقوام کو مصیبتوں سے بچایا، یا اپنی قوموں کا مقام بلند کر کے انہیں عالمی طاقتوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ یہ مطالعہ اس سیاست دان کے لئے اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ سیاست میں ممکن وہی ہوتا ہے جو کہ حقیقت میں واقع ہو چکا ہوتا ہے، اور وہ بھی ممکن ہے جو ابھی واقع تو نہیں ہوا، مگر سیاست دان کی کوشش سے وہ وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔

ریاستوں کی تاریخ کا مطالعہ سیاست دان کے لئے یوں فائدہ مند ہوتا ہے کہ اسے عالمی توازن کے ارتقاء، عالمی رواج و قوانین کے وجود میں آنے، اور ان مؤثر ذرائع کے بارے میں عملی تجربہ فراہم کرتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ سیاسی رجحانات کو نافذ کرنے اور طے شدہ پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے استعمال کیے گئے تھے۔

اقوام کی تاریخ کا مطالعہ کسی سیاست دان کو اقوام اور عوام، ان کی صفات، اور ان خصوصیات کے ساتھ جڑے واقعات کا ادراک کرنے کی بصیرت انگیز نگاہ عطا کرتا ہے، اور یہ کہ کیسے اقوام کی وہ خصوصیات ان سے متعلقہ تاریخی واقعات میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

دنیا کے موجودہ رہنما اکثر اپنی قوم کے تاریخی رہنماؤں سے ترغیب حاصل کرتے ہیں۔ امت مسلمہ کے رہنماؤں نے اپنی ترغیب رسول اللہ ﷺ سے، آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ سے اور پھر ان خلفاء سے حاصل کی جو امت اور ریاست کی دیکھ بھال میں مہارت رکھتے تھے، جیسے کہ ہارون الرشیدؒ اور سلیمان القانونی رحمہ اللہ۔

اسی طرح امریکہ میں، اس کے قائدین اپنا عزم اور مقصد، جارج واشنگٹن اور ابراہم لنکن جیسے بانیوں سے حاصل کرتے ہیں جنہوں نے امریکہ کی بنیاد رکھی، اس کو متحد رکھا، اور اسے دنیا کی صف اول کی ریاست بننے کے قابل بنایا۔

اسی طرح روس میں، اس کے قائدین اپنی شجاعت و فخر اور یہاں تک کہ اپنے سیاسی رجحانات کو پیٹر دی گریٹ اور کیتھرین دی گریٹ جیسی اپنی تاریخی شخصیات سے حاصل کرتے ہیں۔

لہٰذا تاریخ کا مطالعہ نوجوان رہنماؤں کے لئے رول ماڈل تشکیل دینے اور انہیں قابلیت اور صلاحیت میں اپنے پیشروؤں کی تقلید کرنے کی ترغیب دینے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

یہاں ہماری بحث میں جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی فہم اور پالیسی سازی کے حوالے سے تاریخ سے کیا حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی امت کی تاریخ اور دنیا کی سرکردہ اقوام کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ اس مطالعے میں اقوام کی تاریخ کے اہم نکات پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے، نہ کہ ان اقوام کی پوری تفصیلی تاریخ پر۔ اور اس سے اس طرح سے رجوع کیا جانا چاہئے:

اول: کسی بھی قوم کی تاریخ کا آغاز سے لے کر اب تک کا ایک عمومی مطالعہ، جس سے ان خصوصیات کی واضح تصویر سامنے آتی ہے جو اس قوم کے آغاز سے لے کر اب تک موجود ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو اس قوم کے عروج اور زوال دونوں ادوار کے بارے میں ہمارے نکتۂ نظر کو متاثر کرتی ہے۔ اگر کوئی قوم قیادت، تحمل، اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل اور دوسروں کے لئے ذمہ داری اٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہے تو وہ قوم تباہ نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ قوم ٹھوکر کھا بھی جائے، تب بھی وہ تیزی سے سنبھل جائے گی، اپنی طاقت کو مجتمع کرے گی، اور ایک بار پھر دنیا کو اپنے طریقے سے ڈھال دے گی۔

تاہم اگر کوئی قوم، چالبازی، شاطر پن، دوسروں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور سازباز، دوستوں کے ساتھ اچھے تعلقات اور دشمنوں کو بے اثر کرنے کی خصوصیات رکھتی ہے تو ایسی قوم دنیا کے لئے وبال بن جاتی ہے اور اپنے مفادات کے حصول کی خاطر مصیبت اور جنگ کے سوا کچھ نہیں لاتی۔ اگر کوئی قوم دھوکہ دہی کو بزدلی اور سازشوں کے ساتھ جوڑ دے تو وہ لوگ کسی بھی ایسی ریاست کے لئے بدامنی کا باعث بن جاتے ہیں جس پر ان کا کنٹرول ہو، اور انہیں کسی بھی ملک میں قیادت کا عہدہ سنبھالنے سے روکا جانا چاہیے کہ جس پر وہ حکمرانی کر سکیں، یا کوئی بھی اختیار رکھ سکتے ہوں، وغیرہ۔

دوم: اقوام کی تاریخ کے ان اہم واقعات کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے جو ان کی روش میں بنیادی تبدیلیوں کا باعث بنے اور ساتھ ہی تاریخ کے ان مواقع پر دنیا کی صورتحال کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے، جب تبدیلی کسی قوم کے حق میں یا اس کے خلاف واقع ہوئی ہو۔ یوں اس طرح سے ایک سیاست دان عالمی منظر نامے کے عروج و زوال کو سمجھ سکتا ہے اور ایک قوم کے عروج اور دوسری قوم کے زوال کا ادراک کر سکتا ہے۔

مثال کے طور پر حدیبیہ کا معاہدہ امت مسلمہ کی تاریخ کا ایک اہم موڑ تھا جس کے بعد دنیا کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کو خطوط بھیجے گئے تھے۔ اسی طرح عالمی سطح پر ریاست کے ابھرنے میں قدسیہ اور یرموک کی جنگیں بھی خاصی اہمیت کی حامل تھیں اور قسطنطنیہ کی فتح بھی ایک اہم ترین موڑ تھا۔ اس کے برعکس، بحیرہ ازوف کے علاقے میں عثمانی خلافت کے خلاف پیٹرِ اعظم کی جنگ، جب اس نے کریمین تاتاریوں تک سمندری رسد کو روکنے کے لئے وہاں ایک بندرگاہ قائم کی تھی، شہنشائے روس کی تاریخ کی فیصلہ کن جنگوں میں سے ایک تھی۔ اسی طرح امریکی انقلاب، جس کی وجہ سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ وجود میں آیا، اور دو عالمی جنگیں بھی ایسے ہی اہم موڑ تھے۔

تاریخ کے یہ موڑ عالمی منظر نامے، اس کی تبدیلیوں، اس کی تبدیلیوں کی وجوہات، چند ریاستوں کے کمزور ہونے اور دوسروں کے مضبوط ہونے کی وجوہات، اور کچھ ممالک کی طرف سے دوسروں کے خلاف بنائی جانے والی سیاسی سازشوں اور چالبازیوں کی ایک تصویر پیش کرتے ہیں۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، اگرچہ ہر بار ایک مختلف انداز میں ہی کیوں نہ ہو۔

سوم: اقوام کو گھیرے میں لئے ہوئے خطرات، ان کے خلاف لڑی جانے والی بڑی جنگوں، ان کے تاریخی مخالفین کو پہچاننا اور ان کمزوریوں کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے جن کے ذریعے جنگوں میں ان کو نقصان پہنچایا گیا تھا۔

روس یورپ کو ایک دشمن کے طور پر دیکھتا ہے، اور یہ تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے: یورپ نے روس پر تین بار بڑے حملے کیے ہیں، سلطنت سویڈن کی قیادت میں عظیم شمالی جنگ، نپولین کی سربراہی میں بوروڈینو کی جنگ، اور جب ہٹلر نے دوسری جنگ عظیم

کے دوران روس پر حملہ کر دیا تھا۔ اس سے اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ روس پر تینوں بار اس کے مغربی جانب سے حملہ کیا گیا تھا، جس نے روس کی مغربی سرحد کی حفاظت کرنے کو اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے جب یوکرین نے امریکہ کے ایماء پر نیٹو کی رکنیت کی درخواست کی تو روس نے انتہائی سخت موقف اختیار کیا، جبکہ یہ کشیدگی حقیقتاً 2022ء میں پھوٹ پڑی تھی۔

چہارم: چوتھی بات یہ ہے کہ موجودہ مسائل سے ربط ہونے کے باعث حالیہ تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ریاستوں کی جانب سے شروع کیے جانے والے سیاسی منصوبوں کا جائزہ لیا جائے اور یہ کہ کیا وہ اب بھی ان پر عمل پیرا ہیں یا ناکامی یا کامیابی کی وجہ سے انہیں ترک کر چکے ہیں۔

اگر کسی ایسے مسئلے کی تاریخ معلوم نہ ہو، جس کے گرد موجودہ واقعات رونما ہو رہے ہوں، تو اس کی تاریخ کو دیکھے بغیر موجودہ حالات کا کوئی بھی تجزیہ نامکمل ہے۔ اس کے ماضی کو سمجھے بغیر مسئلے کی مختلف جہتوں کو مکمل طور پر ظاہر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر فلسطین کے مسئلے کا جائزہ لیتے وقت اس کی تاریخ کا جاننا نہایت ضروری ہے کہ جب اسے انگریزوں نے نشانہ بنایا تھا، فلسطین کے قبضے سے لے کر اسے یہودیوں کے حوالے کرنے تک، اور فلسطین کے کچھ حصوں پر اردن اور مصر کو اختیار دینے تک۔ اس کے بعد ایک ریاست یا دو ریاستی حل کے متعلقہ منصوبے کی بات آتی ہے، اور پھر یہودیوں اور اردن کے درمیان تعلقات، مسئلہ فلسطین کی تمام تر تاریخ میں اردن کے بارے میں یہودی نکتۂ نظر، اور دو ریاستی حل تک پہنچنے کے لئے امریکیوں کی طرف سے تیار کردہ منصوبے، جس کا آغاز 1950ء میں فلسطین کو دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کی ترغیب دینے اور پھر 1959ء میں دو ریاستی منصوبے کو اپنانے سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد 1994ء کے اوسلو معاہدے کو اپنے فائدے کے لئے آگے بڑھانا، جس کے نتیجے میں 2020ء میں "صدی کی سب سے بڑی ڈیل" کا معاہدہ طے پایا۔ اس میں عرب کے اقدام امن سے نارملائزیشن تک اور پھر "امن" کی طرف منتقلی، اردن اور سعودی عرب کے درمیان یہودی رجحانات میں تبدیلی، برطانیہ اور امریکہ کے درمیان یہودی وفاداریوں میں تبدیلی، اور اس تمام منظر نامہ پر امریکہ کا حتمی کنٹرول ہونا، اور دونوں امریکی جماعتوں کے اندر تقسیم بھی شامل ہے، جس میں سے ہر ایک جماعت یہودیوں کے مختلف دھڑوں کی حمایت کرتی ہے۔ لہٰذا جب بھی کوئی نیا واقعہ پیش آتا ہے تو اس کا سیاق وسباق قابل فہم ہو جاتا ہے۔

ایک بہت اہم معاملے کا مشاہدہ کرنا بھی ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ: تاریخ واقعات اور حقائق کا مرکب ہوتی ہے۔ کچھ ایسے واقعات ہوتے ہیں جو کسی قوم یا ریاست کے ساتھ مخصوص حالات سے جڑے ہوتے ہیں، اور کچھ واقعات حالات سے آزاد، تاریخی حقائق ہوتے ہیں۔ کسی شخص کو حقائق کو لینا چاہئے اور ان واقعات کو ایک طرف رکھنا چاہئے جو عارضی حالات سے منسلک ہوں۔ مثال کے طور پر امت مسلمہ خون کی پیاسی قوم نہیں ہے، چاہے اس کی تاریخ میں داخلی تنازعات کے باعث خون بہایا گیا تھا۔ ان تنازعات کو باریک بینی سے دیکھا جائے تو ان کی جڑیں ان حالات میں پائی جاتی ہیں جو اس وقت پیدا ہوئے تھے یا پھر ان واقعات کے تانے بانے ان

بیرونی گروہوں سے جا ملتے ہیں جنہوں نے امت کو اس وقت الجھن میں ڈال دیا تھا جبکہ وہ محافظ کے بغیر تھی۔ اس کی ایک مثال خوارج کے پیش آنے والے واقعات، فاطمی ریاست کا قیام اور مسجد الحرام پر قرامطیوں کا کنٹرول ہونا ہے۔ تاہم یہ واقعات امت کی تاریخ کو اس کے حقیقی مقصد سے باہر نہیں لے گئے تھے، یعنی اپنے نظریے کو دنیا تک پھیلانے کی ذمہ داری اٹھانا۔ امت اپنے اس راستے پر اس وقت تک قائم رہی تھی جب تک کہ اس کی ریاست کا خاتمہ نہیں ہو گیا اور اب یہ امت ایک بار پھر اپنی ریاست کے احیاء کی جدوجہد میں مصروف ہو گئی ہے۔

لہٰذا اگرچہ امت کے ان تنازعات میں صورتحال سے جڑے ہوئے واقعہ میں خونریزی تھی مگر اسے اس معاملے کے اصل کے طور پر نہیں لیا جانا چاہیے۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دین کو پھیلائے اور اسی نظریہ کو لے کر چلنا ضروری ہے۔

لہٰذا ایک سیاستدان کے لئے ضروری ہے کہ وہ فعال اقوام کی اور ایسی اقوام کی جو فعال ہو سکتی ہیں ان کی ایک تاریخی عکاسی کر سکے۔ چاہے وہ سیاسی افہام و تفہیم میں شامل ہونا چاہتا ہو یا پالیسیوں کی تشکیل میں مصروف ہونا چاہتا ہو۔

لوگوں کے اوصاف

سیاسی تجزیہ کے لئے لوگوں کے اوصاف اور عادات کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ مطالعہ ان لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے جو عوام یا قوم سے متعلق پالیسیاں تشکیل دیتے ہوں۔

کسی بھی ملک میں سیاسی رہنماؤں کی طرف سے طے کردہ پالیسیاں اس ملک میں رہنے والے لوگوں کی خصوصیات سے الگ نہیں ہوتی ہیں، اور یہ خصوصیات ان لوگوں کی فطرت سے پیدا ہوتی ہیں جن کے درمیان سے وہ پروان چڑھتے ہیں۔ مقاصد کا انتخاب اور لوگوں کی عادات و خصوصیات لازم و ملزوم ہوتی ہیں: دوسروں پر غالب رہنے کی خواہش رکھنے والے لوگ مختلف مقصد کا انتخاب کریں گے، بجائے اس کے کہ وہ لوگ جنہیں صرف خود سے غرض ہو، جبکہ وہ لوگ جو دوسروں کے لئے ذمہ داری محسوس کرتے ہیں، اُن کے سیاسی مقاصد ان لوگوں سے بالکل برعکس ہوں گے جن کی فطرت میں خود غرضی ہوتی ہے۔

لوگوں کے اوصاف و عادات کسی مقصد تک پہنچنے کے لئے استعمال ہونے والے منصوبوں اور طریقوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جو ناانصافی سے نفرت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرح کا رویہ اختیار نہیں کریں گے جو ناانصافی کے عادی ہوتے ہیں، بھلے ہی دونوں قسم کے لوگ ایک ہی مقصد کی پیروی کر رہے ہوں۔

دنیا کی صف اول کی ریاست کی جانب سے لوگوں اور اقوام کے بارے میں جو پالیسی بنائی جائے اس میں ان اقوام کے لوگوں کی خصوصیات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر شام اور افریقہ میں اسلامی ریاست کی توسیع میں فوجی نوعیت کی شکل شامل تھی، جبکہ اسلام انڈونیشیا تک پہنچا اور بغیر کسی جنگ کے مسلم تاجروں کے ذریعے وہاں وسیع پیمانے پر پھیل گیا۔ لہٰذا، اگر کوئی ریاست مختلف لوگوں کی فطرت پر غور کیے بغیر ان کے بارے میں ایک ہی نکتۂ نظر اختیار کرتی ہے، تو وہ دونوں اقوام سے یکساں نتائج حاصل نہیں کر سکے گی، اور یہاں تک کہ ناکامی کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔

اسی طرح جرمن عوام اور افغان عوام میں بھی فرق ہے: امریکہ نے کئی سالوں تک جرمنی پر قبضہ کئے رکھا، پھر بھی جرمنوں نے ان پر کبھی کوئی ایک پتھر بھی نہیں پھینکا۔ تاہم جب امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کیا تو اسے اس وقت تک کوئی سکھ کا سانس نہ مل سکا جب تک کہ وہ بیس سال بعد ذلت آمیز انداز میں انخلاء پر مجبور نہ ہو گیا۔ لہٰذا، ایک پالیسی ساز کو ان اقوام کے بارے میں پالیسیاں تیار کرتے وقت لوگوں کی خصوصیات کو لازمی مد نظر رکھنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہی سکھایا ہے۔ جب قریش نے حدیبیہ میں آپ ﷺ کے پاس مذاکرات کار بھیجے تو آپ ﷺ نے ہر ایک کے لئے ایک مختلف نکتۂ نظر اپنایا۔ جب قریش نے اَحابیش کو بھیجا، جس کی قیادت حلیس بن علقمہ الکنانی کر رہا تھا جو اَحابیش کا سردار تھا اور وہ قریش کے حلیف تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«إن هذا من قومٍ يتألّهون، فابعثوا الهدي في وجهه حتى يراه»** "یہ شخص ایک ایسی قوم میں سے ہے جو اپنے معبودوں کا احترام کرتی ہے"۔ قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے سے گزرنے کے لئے کھلا چھوڑ دو تاکہ وہ انہیں دیکھ سکے۔ جب حلیس نے دیکھا کہ قربانی کے جانور اپنی مالاؤں کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر رہے ہیں، اور یہ جانور اپنی قربانی کی جگہ سے دور ہیں، تو وہ بہت متاثر ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کئے بغیر ہی قریش کی طرف لوٹ گیا۔ اس نے جو کچھ دیکھا وہ انہیں بتایا لیکن قریش نے اس سے کہا، "بیٹھ جاؤ، تم صرف ایک بدو ہو اور تمہیں کوئی علم نہیں ہے"۔ اس پر حلیس کو غصہ آیا اور کہنے لگا: "اے قریش کی قوم، اللہ کی قسم، یہ وہ معاملہ نہیں ہے جس کا ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا اور نہ ہی ہم نے تم سے اتفاق کیا تھا۔ کیا جو شخص بیت اللہ کی عزت کے لئے آئے اسے اس سے دور کر دیا جائے گا؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں حلیس کی جان ہے، تم یا تو محمد ﷺ کو اس کی اجازت دو گے جس کے لئے وہ آئے تھے، یا میں پورے اَحابیش کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جنگ کروں گا"۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام)

لوگوں کے اوصاف کا اندازہ ان کی تاریخ کا کھوج لگا کر لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے مراد ان کی تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کے اہم واقعات کو دیکھنا ہے، اور یہی کافی ہے۔

اس قوم کے عروج کی تاریخ، ان کے زوال کی تاریخ، دشمنوں کے ساتھ ان کے معاملات اور ان پر آنے والے بحرانوں پر اس قوم کے رد عمل کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ان مراحل کا مطالعہ کرنے سے، اس قوم کے لوگوں کے عمومی اوصاف کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

لوگوں کی خصوصیات کو ان کے علاقوں کی نوعیت سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ جو لوگ سمندروں، تجارتی راستوں، نقل و حمل اور ماہی گیری کے لئے کھلے علاقوں میں رہتے ہیں، ان میں ایسی عادات و خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے علاقے کی نوعیت اور ان کے مشترکہ پیشے کے مطابق ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے، انگریز دوسروں کے ساتھ معاملات اور ان کے ساتھ بات چیت کرنے میں بہت زیادہ قابل تھے، اور سب سے زیادہ مکار اور دھوکے باز لوگوں میں سے تھے۔

اس کے برعکس عرب کے لوگ صحراؤں اور اونچے پہاڑوں کے درمیان دشوار گزار علاقوں کے رہنے والے تھے۔ ان کی زندگی کٹھن ہوتی تھی، ان کا کھانا خشک تھا، اور وہ اپنی زندگی میں مشکلات سے بے پرواہ ہوتے تھے۔ درحقیقت ان کے صحراؤں کی وسعت نے ان کے لئے نئی راہیں کھول دی تھیں اور اس لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے مشکل معاش سے نکلنے کے لئے تجارت کرنے کی طرف ان کی راہنمائی کی۔ اس طرح، انہوں نے دوسروں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی صلاحیت کو اپنی مشقت پسندی کی طاقت کے ساتھ جوڑ دیا۔ عرب لوگ نفاق نہیں کرتے تھے اور نہ ہی جھوٹ بولنا پسند کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو شیبان کے اجتماع سے نکلتے وقت ان کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ان سے مدد طلب کی اور فرمایا: **«يا أبا بكر أية أخلاق في الجاهلية ما أشرفها بها يدفع الله عز وجل بأس بعضهم عن بعض، وبها يتحاجزون فيما بينهم»** "اے ابو بکر! جاہلیت میں کون سے وہ اعلیٰ اخلاق تھے! جن کے ذریعے اللہ عزوجل بعض لوگوں کے شر سے دیگر لوگوں کو دور رکھتے تھے، اور انہی کے ذریعے وہ آپس میں ایک دوسرے سے (لڑائی سے) باز رہتے تھے"۔ (دلائل النبوه، البيهقي)

لہٰذا کسی علاقے کی نوعیت اور اس کا ذریعۂ معاش اس کے رہنے والے لوگوں کے اجتماعی اوصاف کے اسباب میں سے ہیں اور تاریخ اس کی گواہ ہے۔

معاہدے اور تنازعات

تاریخی طور پر، علاقائی آبادیاں اور بعد کی ریاستیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہو کر نہیں رہا کرتی تھیں۔ اگر ماضی میں علاقائی آبادیاں اور ریاستوں کے درمیان ایسا نہیں تھا، تو آج یہ اور بھی واضح ہے کہ ریاستیں دوسروں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتیں، خاص طور پر وہ ریاستیں جو بیرونی دنیا کے ساتھ روابط رکھنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔

ہم اس بحث سے ان قبائل اور گروہوں کو خارج کرتے ہیں جو اب بھی دور دراز کے جنگلوں میں رہتے ہیں، اگرچہ وہ خود بھی اپنے ارد گرد سے مکمل طور پر کٹے ہوئے نہیں ہیں، کیونکہ وہ جنگیں بھی کرتے ہیں اور ہمسایہ قبائل کے مابین مفادات حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔ تاہم، انہیں اس بنا پر اس بحث سے خارج کر دیا گیا ہے کہ عالمی منظر نامے میں ان قبائل و گروہوں کا کوئی اثر ورسوخ نہیں ہے۔

دنیا کی ریاستیں یا تو خود اثر ورسوخ رکھتی ہیں یا پھر کسی اثر ورسوخ کے تابع ہوتی ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی کمیونٹی جو دنیا سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کرے گی وہ لامحالہ ان ریاستوں کے عزائم سے متاثر ہو گی جنہوں نے خود کے لئے بااثر رہنے کا انتخاب کیا ہوتا ہے۔

دنیا کی ریاستیں دیگر ریاستوں کے ساتھ یا تو غلبہ حاصل کرنے کے قصد سے یا نوآبادیات کی مہم سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ غلبہ حاصل کرنے کی مہم اپنی نسل کی بالادستی قائم کرنے، یا اپنی قوم کی بالادستی کے لئے، یا کسی نظریے کی بالادستی کی خواہش سے جنم لے سکتی ہے، جو سب اسی فریم ورک کے تحت آتے ہیں۔ استعمار کی مہم میں دوسری ریاستوں کے وسائل اور دولت کے استحصال کی ہر شکل شامل ہے، چاہے وہ فوجی قبضے کے ذریعے ہو یا سیاسی یا اقتصادی معاہدوں کے ذریعے۔

یہ دونوں محرک عالمی سطح پر فریقین کو تنازعات یا معاہدوں کی طرف دھکیلتے ہیں۔ نسلی بالادستی کی مہم کو ہٹلر نے آلہ کے طور پر استعمال کیا جب اس نے یورپ پر قابو پانے کے لئے جنگیں شروع کرنے کے لئے آریائی نسل کو اکٹھا کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اگرچہ اس نے سویڈن سے آنے والی فولاد کی کھیپوں کو محفوظ بنانے کے لئے ڈنمارک اور ناروے کا رخ کیا، لیکن اس نے جس وسیع محاذ کو اختیار کیا وہ اس کی نسلی برتری کے نظریہ کی وجہ سے تھا، اور یوں یہ مہم تنازعات کی طرف لے گئی۔

جہاں تک اسلامی ریاست کا تعلق ہے جو علاقے در علاقے پھیلتی چلی گئی، تو یہ سب صرف اپنے نظریے، یعنی اسلام کی بالادستی کے لئے تھا جس میں ان علاقوں کی دولت اور وسائل کو ہرگز خاطر میں نہ لایا گیا تھا۔ مصر اور شام جیسے علاقوں کی فتح بھی اسی نظریے کے تحت کی گئی تھی جس کے تحت جزیرہ نما عرب کی بنجر زمینوں کو فتح کیا گیا تھا۔

بالادستی کی مہم کسی دوسرے کی بالادستی کی مہم کے ساتھ مفاہمت نہیں کر سکتی، سوائے عارضی جنگ بندیوں کے، جس کے بعد وہ اپنے اصول، نسل یا قوم کی بالادستی کے لئے دوبارہ کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔

جہاں تک استعمار کی مہم کا تعلق ہے تو یہ ایک مذموم مقصد ہے جو طاقتور کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ کمزور کی تذلیل کریں اور یہاں تک کہ انہیں غلام بنالیں تاکہ وہ دشمن کے فائدے کے لئے اپنی ہی سرزمین کے وسائل کا استحصال کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی سرمایہ دارانہ ریاستوں نے اس دور میں استعماریت کی خاطر تنازعات کو ہر دوسرے مقصد پر ترجیح دی جس کے دوران انہوں نے اسلامی دنیا اور افریقہ کو اپنی کالونی بنالیا تھا۔

یہ استحصال اس حد تک پہنچ گیا کہ فرانس نے نائیجر کو اپنی کالونی بنالیا اور وہاں کی کانوں سے یورینیم نکالنے کے لئے نائیجر کے بچوں کو بھرتی کیا، اس یورینیم کو بعد میں فرانس بھیج دیا جاتا تھا تاکہ فرانس کے ایٹمی ری ایکٹرز کو ایندھن فراہم کیا جاسکے جس سے بننے والی بجلی سے فرانس تو روشن ہو جاتا تھا، جبکہ نائیجر کے لوگ انہی کانوں کے اندر ہی مر جاتے تھے اور جب ان پر رات کی تاریکی آن پڑتی تو ان کے پاس کوئی روشنی تک نہ ہوا کرتی تھی۔

نو آبادیات بنانے کی یہ مہم ہی تھی جو افریقہ کے کانگو کو کنٹرول میں کرنے والے بیلجیئم کے بادشاہ لیوپولڈ دوم کے لئے دس ملین افریقیوں کی موت کا سبب بن گئی، یہاں ابھی ہم غلاموں کی تجارت کا ذکر نہیں کر رہے، جسے ماضی میں یورپی لوگ ایک تجارتی جنس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

ان اقوام میں تنازعات پیدا ہو جاتے ہیں جو غلبے کا قصد لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ پھر اس کے بعد دونوں ممالک ایک ایسی کشمکش میں ٹکراتے ہیں جو ان کی سرحدوں سے آگے بڑھ جاتی ہے اور انہیں حقیقی جنگ کی حالت میں دھکیل دیتی ہے، یہاں تک کہ ایک فریق ہتھیار ڈال دیتا ہے، اور دوسرا فریق دونوں ممالک پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

تاہم، جب سے قومی سرحدوں کو مقدس بنالیا گیا ہے، اس قسم کے تنازعات کی بین الاقوامی سطح پر مذمت کی جاتی ہے۔ لہٰذا ریاستوں نے عوامی ریفرنڈم کے ذریعے اس بین الاقوامی مؤقف کو نظر انداز کرنے کا سہارا لیا۔ مثال کے طور پر، آسٹریا میں پہلے سے ہی جرمنی کے ساتھ اتحاد کے حق میں عوامی جذبات موجود تھے، اور یہ اس سے قبل تھا کہ آنشلوس اقدام (Anschluß Österreichs) پر عملدرآمد کیا جاتا، جس کے ذریعے آسٹریا کو جرمنی میں ضم کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح، روس نے مشرقی یوکرین میں علیحدگی پسند تحریکوں کی حوصلہ افزائی کی، پھر علیحدگی پسند جمہوریہ، ڈونیٹسک اور لوہانسک کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد ان

جمہوری ریاستوں نے یوکرین کی جارحیت کے خلاف روس سے تحفظ کی درخواست کی، اور یہ معاملہ روس کے لئے اہم تھا، تاکہ اسے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں میں نہ لیا جائے۔

تنازعات ان لوگوں کے درمیان بھی ہوتے ہیں جن کا رجحان ایک ہی ہوتا ہے، جو کہ ریاست کے اپنے دائرۂ کار میں غلبہ حاصل کرنے کے محرک سے جڑا ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں دنیا میں غالب رہنے کا محرک ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ وسائل پر مسابقت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مغربی سرمایہ دارانہ ریاستوں کی مسلم ممالک میں پر تشدد جھڑپیں رہیں ہیں، جس کی وجہ سے امریکہ اس رسہ کشی میں انگلستان سے اس کی سابقہ کالونیوں کو چھین کر لے گیا اور ایسا اس نے ان علاقوں میں فساد کو ہوا دے کر اور ایجنٹوں کو ہٹا کر حاصل کیا تھا۔ مثال کے طور پر امریکہ نے 2015ء میں یمن کے خلاف "سعودی عرب" کی قیادت میں حملوں کے ذریعے یمن میں فسادات کو بھڑکایا، جس سے حوثیوں کو، جو اُس وقت امریکہ کے ساتھ اتحاد میں تھے، یمن کے سیاسی میدان میں داخلے کا موقع ملا اور علی عبداللہ صالح کے قتل کے بعد، اس کے پیروکاروں کو گرانے کا موقع ملا۔

درحقیقت امریکہ نے ہی عراق کو جنگ کی طرف دکھیلا تھا تاکہ اسے انگلستان کی ماتحتی سے نکلا جاسکے اور اس کے وسائل پر کنٹرول حاصل کیا جاسکے۔

دوسری طرف، وہی مفادات جو ریاستوں کو تنازعات میں دھکیلتے ہیں، وہی انہیں معاہدوں کی طرف بھی لے جاتے ہیں۔ 1961ء میں امریکہ نے سوویت یونین کے ساتھ اتحاد کو اپنے مفاد میں دیکھا تاکہ دوسری بڑی طاقتوں کے عزائم پر قابو پایا جاسکے۔ تاہم، ایک بار جب اس نے اپنا فائدہ حاصل کر لیا، تو اس نے 1979ء میں اس امن اتفاق کو ترک کر دیا۔

دشمنی پر مبنی تنازعہ اور مسابقت پر مبنی تنازعہ کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ جب یورپی ریاستیں امریکہ سے ٹکراتی ہیں تو ان کا ٹکراؤ دنیا کی لوٹ مار پر مسابقت کے دائرے میں ہوتا ہے، کیونکہ یورپ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اور امریکہ ایک ہی اقدار اور تہذیبی رجحان رکھتے ہیں، اور یہ کہ امریکہ درحقیقت یورپ کی اولاد ہے۔ لہٰذا اس طرح سے وہ دوسروں کے خلاف تو ایک واحد محاذ تشکیل دیتے ہیں، جبکہ آپس میں ایک دوسرے سے مقابلے میں لگے رہتے ہیں۔

اس کے برعکس روس اور یورپ کے درمیان تنازعہ باہمی مسابقت کی وجہ سے نہیں بلکہ دشمنی کی وجہ سے ہے اور یہ دشمنی ان دونوں محاذوں کے درمیان تاریخی ہے۔

تنازعات اور معاہدوں کا مطالعہ صرف ان ریاستوں کے بارے میں ضروری ہے جو دنیا میں سرگرم ہیں، یا پھر یہ کہ مسائل ان ریاستوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ مطالعہ ان اقوام اور لوگوں کا بھی ضروری ہے جو بڑی طاقتیں بننے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جہاں تک باقی ماندہ کا تعلق ہے، تو ان کا مطالعہ کرنے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

تاریخی طور پر تنازعات اور معاہدوں نے ریاستوں کو رسم ورواج پر متفق ہونے پر مجبور کیا ہے اور پھر ان قوانین کا جن کا سب احترام کرتے ہیں۔ ان تنازعات اور معاہدوں نے ریاستوں کو باہمی اتحاد بنانے اور بین الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد کرنے کے لئے بھی ترغیب دی ہے۔

(جاری ہے...)

فہرست

”ہم جنس پرستی“ کی اصطلاح کے ترجمے میں مفہومی ابہام اور اس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر!

خلیل مصعب—ولایہ پاکستان

آج میری نظر سے سوشل میڈیا پر (زیادہ تر انگریزی بولنے والے حلقوں میں) جاری ایک مباحثہ گزرا جس میں مسلسل ایک رجحان نوٹ کیا گیا ہے، اور وہ یہ تصور ہے کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور ہم جنس پرست بھی، بشرطیکہ وہ اپنی ہم جنس پرستانہ خواہشات پر قابو رکھے۔ ان کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ کسی شخص کو اس بات پر موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ وہ پیدائشی طور پر ہم جنس پرست ہے، کیونکہ، ان کے بقول، یہ امر ”اس کے اختیار سے باہر“ ہے۔ البتہ انسان کو اس کے اعمال اور اس کی خواہشات کو انجام دینے کے فیصلے کے بارے میں جواب دہ ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ان کے مطابق، ہم جنس پرستی میں کشش رکھنے والے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی ہم جنس خواہشات پر قابو رکھے اور ہم جنس تعلقات کے گناہ سے بچتا رہے۔

بہر حال اس مؤقف میں موجود مسئلہ بیشتر مسلمانوں کے لئے واضح ہے۔ قرآن و سنت کے دلائل سے ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو (پاکیزہ) فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا، **﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”پس آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف قائم رکھیں۔ یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“** [سورۃ الروم؛30:30]

تو پھر آخر یہ بات کیونکر قابلِ قبول ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص ہم جنس پرست پیدا ہوا ہے، یعنی ایسی حالت میں پیدا ہوا ہے جو اسے گناہ کی طرف مائل کرتی ہے؟ آخر کسی شخص کے پیدائشی طور پر ہم جنس پرست ہونے کے تصور کو اس دلیل کے ساتھ کیسے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے کہ انسان پاکیزہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے؟

میں ایک ایسی وجہ کی نشاندہی کرنا چاہوں گا کہ آج کے مسلمان اس فکری الجھن کا شکار کیوں ہو رہے ہیں، اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے انگریزی زبان اور اس سے پیوست تصورات (مفاہیم) کو کس انداز سے اپنا لیا ہے۔

مغرب کے کئی اہلِ علم نے لفظ gay- ” ہم جنس پرست مرد“ اور اس سے متعلقہ دیگر اصطلاحات مثلاً queer-” ہم جنس پرست“، lesbian-”ہم جنس پرست عورت“ اور “homosexuality” (ہم جنس پرستی) کی تاریخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ اصطلاحات مغرب میں کیسے نمودار ہوئیں اور مغربی زبانوں جیسا کہ انگریزی کا راسخ حصہ بن گئیں۔ بنیادی دلیل یہ ہے کہ مغرب

جنسیت (sexuality) کو جس نظر سے دیکھتا ہے اور اس نکتۂ نظر کو بیان کرنے کے لئے مغرب نے جو اصطلاحات وضع کی ہیں، وہ کوئی ایسا تصور نہیں جو ہر زمانے میں اور ہر خطے میں ہمیشہ سے موجود رہا ہو۔ بلکہ یہ تصورات ایک مخصوص دور اور مخصوص ماحول کے پیدا کردہ ہیں۔

اپنی کتاب "Islam in Liberalism" میں پروفیسر جوزف مسعد (Joseph Massad) اس بحث کا خلاصہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں: "یہ سمجھنا نہایت اہم ہے کہ جنسیت (sexuality) ایک تاریخی اور ثقافتی طور پر مخصوص علمی و وجودی (epistemological and ontological) زمرہ ہے، اور یہ کوئی آفاقی یا لازمی طور پر ہر جگہ قابلِ اطلاق تصور نہیں ہے۔ اور یہ کہ اس حقیقت میں جنسیت سے اخذ کردہ تصورات، یعنی ہم جنس پرستی (homosexuality) ، مخالف جنس پرستی (heterosexuality) اور دو جنسوں کی طرف جنسی میلان (bisexuality) بھی شامل ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں مغربی یورپ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں طبی، قانونی اور بعد ازاں سماجی سطح پر ان تصورات کے مستحکم ہونے نے ان کی توثیق کر دی۔ اور اسی طرح صنفِ مخالف کی طرف رجحان کو ہی واحد اور درست سمجھنے کا تصور (heterocentrism) ، مخالف جنس پرستی (heterosexism) ، اور ہم جنس پرستوں سے نفرت یا تعصب (homophobia) بھی 'مغربی' علمی تصور کی سطح پر ہونے والی ان پیش رفتوں کے ساتھ مخصوص سماجی اور ثقافتی مظاہر کے طور پر سامنے آئے"۔

بہر حال مفہوم یہ ہے کہ لفظ-Gay" ہم جنس پرست مرد" انسان اور انسانی فطرت کے بارے میں مغرب کے ایک مخصوص تصور کا اطلاق کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پروفیسر جوزف مسعد مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ، اس تصور کے مطابق انسان خواہش کے تابع ہوتا ہے اور یہ خواہشات ہی اس کی پہچان کو تشکیل دیتی ہیں کہ وہ کون ہے۔ پروفیسر مسعد مزید آگے لکھتا ہے کہ، "حالانکہ اگر جنسیت (sexuality) کی ایک مخصوص یورپی تاریخ ہے، جیسا کہ کوبینا مرسر (Kobena Mercer) اور این لارا اسٹولر (Ann Laura Stoler) نے واضح کیا ہے، لیکن پھر بھی جنسیت کی یہ تاریخ یورپی نو آبادیاتی روابط کے اثرات اور انہی کی پیداوار ہے اور نسلیات (race) کے نظریۂ علم (epistemology) پر تہہ در تہہ چڑھی ہوئی پرت کی طرح ہے، تو اس اصطلاح کے علمی اور وجودی مضمرات کو غیر یورپی معاشروں تک منتقل کرنا، اور بالخصوص وہاں کے تناظر میں اس اصطلاح کا ترجمہ کرنا اتنا آسان نہیں ہے"۔ اسی طرح فوکالٹ (Foucault) کا انتباہ یہ ہے کہ اس اصطلاح کا ظہور 'اس امر کے اچانک وجود میں آنے کی علامت نہیں ہے جس کی طرف "جنسیت" "sexuality"- میں اشارہ کیا گیا ہے'، اور یہ بات اس کے منصوبے کے ایک بہتر رُخ کو کمتر ظاہر کر رہی ہے، کیونکہ یہاں "جنسیت" "sexuality"-سے مراد یا اس کی تاریخ کسی بالکل نئے طرزِ شخصیت کی طرف اشارہ کرتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی، بلکہ جیسا کہ گریگ تھامس (Greg Thomas) نے کہا کہ، "یہ خواہش کی ایک زیادہ جامع تاریخ کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور جدید تشکیل میں جنسی کیفیت ہونا محض اس کا ایک حصہ ہے'۔ چنانچہ فوکالٹ کے مطابق، "جنسیت کی حامل شخصیت" بننا

دراصل اس بات کی موجودہ ترین صورت ہے کہ کیسے ایک ''مغربی مرد'' نے خود کو ''خواہش کے تابع'' ہونے کے طور پر کس طرح تصور کر لیا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ طبقاتی اور نسلی درجہ بندی، نیز نسلی برتری پر مبنی عمومی مغربی شناخت کا کوئی نیا تصور اچانک وجود میں آ گیا تھا''۔

پروفیسر مسعد نے اس پیراگراف میں نسلیت (race) کا ذکر ایک خاص نکتے کی وضاحت کرنے کے لئے کیا ہے: ان کے مطابق جب مغربی استعماری طاقتیں مختلف اقوام کو فتح کرنے کے لئے دنیا کے مختلف حصوں میں گئیں تو انہوں نے لوگوں کی درجہ بندی اس بنیاد پر کی کہ ان کے خیال میں یہ لوگ کس قسم کے ہیں، یعنی ان کی فطرت کیا ہے۔ چنانچہ مغربی استعماری تصور میں -Gay'' ہم جنس پرست مرد'' ہونا کسی حد تک ''سیاہ فام انسان'' ہونے کے تصور سے مشابہ ہے۔ یعنی یہ اس بات سے متعلق ہے کہ آپ کون ہیں؛ یہ آپ کی شناخت ہے۔ یہ آپ کی حیاتیاتی ساخت اور آپ کے وجود کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

جنسی میلان اور ''آپ کون ہیں'' کے درمیان یہی تعلق ہی ہے جو بہت سے مسلمانوں کو اس بات کو قبول کرنے کی طرف لے جاتا ہے کہ کوئی شخص پیدائشی طور پر بھی ہم جنس پرست ہو سکتا ہے۔ اس تصور کے مطابق اگر آپ میں ہم جنس کشش یا خواہش پائی جاتی ہے تو یہی آپ کی باطنی اور بنیادی شناخت ہے، اور اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا؛ بالکل اسی طرح جیسے کسی سیاہ فام شخص کو سفید فام نہیں بنایا جا سکتا۔

لہٰذا مسلمانوں کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ ان مغربی تصورات کا از سر نو جائزہ لیں جنہیں انہوں نے اختیار کر لیا ہے، اور اس بات پر غور کریں کہ انسانی فطرت کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، انسان پاکیزہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اور اس فطرت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ مرد عورت کی طرف میلان رکھتا ہے اور عورت مرد کی طرف میلان رکھتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں''** [سورۃ الروم؛ 30:21]

لیکن بلاشبہ پاکیزہ فطرت پر پیدا کیے جانے کے باوجود انسان گناہ کی طرف مائل یا اس کے ذریعے آزمائش میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انسانوں کے جد امجد، آدم علیہ السلام کو شیطان نے ممنوعہ درخت سے کھانے پر اُکسایا۔ اسی طرح ایک گناہ اگر بار بار اس کا ارتکاب کیا جائے تو وہ عادت بن سکتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص باقاعدگی سے شراب نوشی کرنا یا نفسیاتی اثرات پیدا کرنے والے نشہ آور مواد کا استعمال کرنا شروع کر سکتا ہے۔ تاہم یہ سمجھنا نہایت اہم ہے کہ ممنوع کردہ خواہشات کا شکار ہو جانا کسی شخص کی ایسی فطرت کی نشاندہی نہیں کرتا کہ جسے بدلا نہ جا سکے۔ یعنی ایسا شخص جو باقاعدگی سے شراب پیتا ہو، اس کے مقدر میں لازمی طور پر یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہی شرابی

بن کر رہنے پر مجبور ہے۔ ایسا ہر گز نہیں ہے کہ شراب نوشی کا عمل اس کے وجود میں اس طرح پیوست ہو چکا ہو کہ اسے کبھی تبدیل ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اس بات کو سمجھنا اس امر کو سمجھنے کے لئے اہم ہے کہ ماضی میں مسلمان علماء گناہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور انہوں نے اپنے فہم کو منتقل کرنے کے لئے کس طرح کی اصطلاحات وضع کیں۔ اس حوالے سے ان کا مرکزی نکتہ خود اس عمل (گناہ) پر مرکوز ہوتا تھا، اس بات پر نہیں کہ یہ عمل کسی شخص کی شناخت یا اس کی ذات کی عکاسی کرتا ہے۔ چنانچہ مسلمان علماء نے "لواطت" (مردوں کے درمیان غیر فطری جنسی تعلق) اور اس کے نسوانی ہم معنی فعل کے لئے "سحاق" کی اصطلاح استعمال کی، اور اس ممنوعہ فعل کا ارتکاب کرنے والے کو "لوطی" کہا جاتا تھا، لیکن اس سے یہ مراد نہیں لی جاتی تھی کہ یہ اس کی کوئی مستقل شناخت ہے۔ تاہم، یہ سمجھنا درست نہیں کہ "لوطی" کا ترجمہ "Gay" کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس لفظ کا مقصد خود عمل پر توجہ مرکوز کرنا ہے، نہ کہ اس شخص کی فطرت یا اس کی ذات کے بارے میں کوئی مفہوم پیش کرنا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے شراب پینے والے شخص کو "شرابی" اور قتل کرنے والے شخص کو "قاتل" کہا جاتا ہے۔ اور تمام صورتوں میں، جو شخص کسی ممنوع عمل کا ارتکاب کرتا ہے، خواہ وہ لواطت ہو، شراب نوشی ہو یا قتل، وہ اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے، **﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ "اللہ کے ہاں توبہ صرف انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں — ایسے ہی لوگوں کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے"** [سورۃ النساء؛ 4:17]۔

علماء نے "جلد ہی" سے مراد یہ لی ہے کہ "موت آنے سے پہلے" توبہ کر لی جائے۔

پاکیزہ فطرت اور خواہش کا یہی وہ فہم ہے جس کی بنا پر ماضی کے علماء ہم جنس کی طرف کشش کو اس فطری حالت سے انحراف سمجھتے تھے جس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ یہ بات عمومی جانی جاتی تھی کہ جو مرد نوعمر لڑکوں (اَمرَد) کی طرف کشش محسوس کرتے تھے، ایسا ان لڑکوں کے نسوانی اوصاف کی وجہ سے ہوتا تھا، جیسے کہ داڑھی کے بغیر ہونا اور باریک آواز کا ہونا۔

امام نووی رحمہ اللہ (وفات: 676ھ) فرماتے ہیں: "وكذلك يحرم على الرجل النظر إلى وجه الأمرد إذا كان حسن الصورة، سواء كان بشهوة أم لا، سواء أمن الفتنة أم خافها، هذا هو المذهب الصحيح المختار عند العلماء المحققين، نص عليه الشافعي، وحذاق أصحابه -رحمهم الله تعالى -، ودليله: أنه في معنى المرأة، فإنه يُشتهى كما تُشتهى، وصورته في الجمال كصورة المرأة، بل ربما كان كثيرٌ منهم أحسن صورةً من كثيرٍ من النساء، بل هم في التحريم أولى لمعنى آخر: وهو أنه يتمكن في حقهم من طرق الشر ما لا يتمكن مثله في حق المرأة." "اسی طرح کسی مرد کے لئے کسی بغیر داڑھی کے خوبصورت نوجوان (اَمرَد) کے چہرے کو دیکھنا بھی حرام ہے، خواہ اس نظر میں شہوت ہو یا نہ ہو، اور خواہ اسے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو یا نہ ہو۔ محقق علماء کے نزدیک یہی صحیح اور راجح رائے ہے۔ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب میں سے جید علماء نے

بھی اسی بات کی صراحت کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک نوجوان کا بغیر داڑھی ہونا، اس معاملے میں وہ کسی عورت کے مشابہ لگتا ہے، کیونکہ جس طرح عورت خواہش کا باعث بنتی ہے، اسی طرح وہ نوجوان بھی خواہش کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ اس کا حسن عورت کے حسن سے مشابہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان میں سے بہت سے نوجوان بہت سی عورتوں سے بھی زیادہ خوب صورت ہو سکتے ہیں۔ درحقیقت ان کے معاملے میں ممانعت کی ایک اضافی وجہ بھی ہے، اور وہ یہ کہ ایسے نوجوانوں کے ساتھ تعلق کے ذریعے برائی کے ایسے راستے پیدا ہو سکتے ہیں جو کہ عورت کے معاملے میں ممکن نہیں ہوتے"۔ (شرح صحیح مسلم، 4/31)

چنانچہ، آج آپ دیکھتے ہیں کہ ہم جنس پرست لوگ کس طرح کا رویہ اپناتے ہیں—وہ کس طرح اپنی آوازوں کو زیادہ نسوانی بنانے کی مشق کرتے ہیں اور عورتوں جیسے انداز و اطوار اختیار کرتے ہیں۔ اور ایسا کرنا اس فطری حالت سے انحراف کے سوا کچھ نہیں جس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔

اور اب لغت کے حوالے سے اوپر بیان کیے گئے نکتے کی طرف دوبارہ آتے ہیں۔ اصل مقصد اس بات پر زور دینا ہے کہ آج کے مسلمانوں کے لئے ان تصورات کو سمجھنا ضروری ہے جنہیں اہلِ مغرب نے اپنایا اور اپنی زبانوں کے ذریعے منتقل کیا۔ ان تصورات کو اپنی سوچ پر اثر انداز ہونے دینے کے بجائے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے دین کا مطالعہ کریں، اس کے مفاہیم کو اپنائیں، اور وہ زبان بولیں جو ان اسلامی مفاہیم کی صحیح ترجمانی کرتی ہو۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی شخص کو Gay کے طور پر دیکھنا اس بات کو سمجھنے میں ناکامی ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہمیں کس طرح پیدا کیا ہے، اور یہ کہ ہماری اصلاح کیسے ہو سکتی ہے اور ہمیں گناہ سے دور کر کے ہدایت کی طرف کیسے لایا جا سکتا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: **﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ﴾** "ہر انسان کے آگے اور پیچھے اس کے نگہبان (فرشتے) لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت (ایمان و عمل) کو نہ بدل ڈالیں۔ اور جب اللہ کسی قوم پر عذاب کا ارادہ فرمالے تو پھر وہ ٹل نہیں سکتا، اور نہ ہی ان کا اللہ کے سوا کوئی مددگار ہو سکتا ہے" [سورۃ الرعد؛ 13:11]

مجھے امید ہے کہ اس آرٹیکل نے بعض امور کو واضح کرنے میں مدد دی ہو گی اور یہ مضمون شاید مسلمانوں کو جنسیت (sexuality) اور اسلام کے موضوع پر دوسروں کے ساتھ گفتگو کرنے میں بھی معاونت فراہم کرے گا۔

فہرست

چین کے اسٹریٹجک وژن کا مطالعہ اور اس کی بین الاقوامی پالیسی میں تبدیلی!

مُناجی محمد

اس مضمون کا آغاز میں ایک ایسے تعارف سے کرتا ہوں جو اس وقت چین میں رونما ہونے والی بڑی اسٹریٹجک تبدیلیوں کو سمجھنے کی ضرورت کے حوالے سے ناگزیر ہے۔ لامحالہ طور پر یہ ضروری ہے کہ چین کے بین الاقوامی سطح پر ایک بڑی طاقت کے طور پر ابھرنے کے پس پردہ بنیادی اسباب، حالات، اور اسٹریٹجک و جیو اسٹریٹجک مواقع کا جائزہ لیا جائے۔ اس جائزہ میں چین کی اقتصادی، عسکری، ٹیکنالوجی اور سیاسی طاقت میں ہونے والی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے عالمی مقاصد کا جائزہ بھی شامل ہے، اور اس حد تک کہ اب چین بین الاقوامی صورتحال اور عالمی سیاست پر اپنا ایک منفرد اثر ڈال رہا ہے۔ حال ہی میں، 17 جون 2026ء کو عوامی جمہوریہ چین کی اسٹیٹ کونسل کے انفارمیشن آفس نے ایک وائٹ پیپر جاری کیا جس کا عنوان تھا، "زیادہ منصفانہ اور مساوی عالمی حکمرانی: چین کے اصول، تجاویز اور اقدامات"، جس میں چین کے اسٹریٹجک وژن اور مستقبل کے عالمی نقطۂ نظر کا اظہار کیا گیا تھا۔

چین کا ایک عالمی طاقت بن کر ابھرنا کوئی ایسا الگ تھلگ واقعہ نہیں تھا جو بین الاقوامی ماحول، عالمی صورتحال کے گرد موجود جیوپولیٹیکل سیاسی حالات، یا مغربی امریکی بین الاقوامی نظام کو درپیش شدید بحرانوں سے کٹا ہوا ہو۔ بلکہ چین کی یہ طاقت اہم تاریخی واقعات کے ذریعے پروان چڑھی اور مجتمع ہوتی گئی، جن میں سب سے نمایاں واقعات سرد جنگ کا خاتمہ، سوویت یونین کا انہدام اور امریکہ کے یک قطبی (unipolar) غلبے کا ظہور تھا۔ سوویت یونین پر فتح کی خوشی میں امریکہ کی اسٹریٹجک مصروفیت اور بنیادی تشویش ایک ایسی سلطنت کی تعمیر اور غلبے کے ذرائع پر کنٹرول حاصل کرنا تھا جس کے ذریعے دنیا کو ایک واحد غالب قطب کی حیثیت سے چلایا جا سکے۔ یہ ذرائع اور کچھ نہیں بلکہ توانائی کے ذرائع، خام مال اور بنیادی قدرتی وسائل تھے۔ اور عالمِ اسلام جس کے پاس بے شمار وسائل، اپنی دولت اور تیل اور گیس کے سمندر موجود تھے، اور پھر اس کا مضمر عنصر اسلام تھا جس کی جڑیں کافی گہری تھیں اور وہ اپنی اسٹریٹجک قوت دوبارہ حاصل کر رہا تھا، چنانچہ اسلام، امریکہ کے لئے اسٹریٹجک مصروفیت اور بنیادی تشویش بن گیا۔ چنانچہ امریکہ کی جنگیں جو کہ خلیج، افغانستان اور ہارن آف افریقہ کے علاقوں میں برپا کی گئیں، وہ جنگیں اسٹریٹجک جنگیں تھیں جن کا مقصد امریکہ کی سلطنت کو تشکیل دینا اور اس کی یک قطبی بالادستی کو مستحکم کرنا تھا، جسے امریکہ نے "ایک نئے عالمی نظام" کے قیام کے طور پر پیش کیا۔ یوں اس

غیر معمولی بین الاقوامی صورتحال نے چین کے لئے ایک تاریخی اسٹریٹجک موقع اور لمحہ پیدا کیا۔ امریکہ اپنی سامراجی مہمات میں الجھا ہوا تھا، جبکہ چین نے خاموشی اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی معیشت تعمیر کی، اپنے بنیادی ڈھانچے اور صنعتی پیداواری صلاحیتوں کو ترقی دی، اور اپنے تعلیمی نظام کو آگے بڑھا کر اور اپنے ریسرچ، ٹیسٹنگ اور ایجادات کے سینٹرز کی استطاعت کو مضبوط کر کے اپنی ٹیکنیکل بنیاد قائم کی۔ اگرچہ یہ تاریخی لمحہ امریکی بالادستی کا دور دکھائی دیتا تھا، لیکن اس نے چین کو ایک ایسا ساز گار بیرونی ماحول فراہم کیا جس میں وہ امریکی کنٹرول اور پابندیوں سے آزاد ہو کر خالص اسٹریٹجک فوائد حاصل کر سکا۔ اس مرحلے کے دوران جدید چین کی اصلاحات کے معمار، ڈینگ شیاؤ پنگ (Deng Xiaoping) کے مشہور قول "اپنی صلاحیتیں چھپاؤ اور وقت کا انتظار کرو" سے متاثر بیجنگ کے محتاط طرزِ عمل اپنانے نے بھی اس کی کافی مدد کی، جس کا مقصد غالب امریکی طاقت کے ساتھ براہِ راست الجھنے سے بچنا تھا۔ مزید یہ کہ، کمیونسٹ نظام کی شکست، یورپی مشرقی بلاک کی ریاستوں کے انہدام اور سرد جنگ کے خاتمے کے تناظر میں امریکہ نے ایک گہرے اور غلط اسٹریٹجک اندازہ پر انحصار کر لیا: اور وہ یہ کہ سوشلسٹ عوامی جمہوریہ چین کا بھی یورپی سوشلسٹ بلاک کی ریاستوں جیسا انجام ہو گا، اور چینی سوشلسٹ ریاست اور نظامِ حکمرانی میں بھی لازماً انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اس اندازے نے چین کی حقیقت کو مکمل طور پر نظر انداز کیا، جس کا مخلوط نظام کمیونسٹ فریم ورک کے اندر ریاستی سوشلزم کے مقابلے میں ریاستی سرمایہ دارانہ سوشلزم سے زیادہ قریب تھا، نیز یہ کہ مشرقی چین اور مشرقی یورپ کے درمیان ثقافتی اور تہذیبی اختلافات کو بھی نظر انداز کیا گیا۔

پھر سوویت یونین کے انہدام اور کمیونسٹ رکاوٹوں کے خاتمے کے ساتھ ہی لبرل حالات سرمایہ دارانہ نظام کے لئے معیشت، سیاست اور روزمرہ زندگی پر اپنی بالادستی اور غلبہ دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ساز گار ہو گئے۔ اس نئی قسم کی لبرل ازم—"نیو لبرل ازم"—کے نتائج میں مغربی لبرل ماڈل کی گلوبلائزیشن اور عالمی تجارت (سرمایہ دارانہ کمپنیوں کی تجارت) سے تمام پابندیوں اور رکاوٹوں کا خاتمہ شامل تھا، جیسا کہ جنرل ایگریمنٹ آن ٹیرفس اینڈ ٹریڈ (GATT) معاہدہ اور 1995ء میں قائم ہونے والی ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) میں اس کا اظہار ہوا۔ اس اقتصادی گلوبلائزیشن کے نتیجے میں دنیا نے بین الاقوامی تجارت میں بے مثال توسیع اور صنعتی پیداوار کو کم لاگت اور کم ضوابط والے علاقوں میں منتقل ہوتے دیکھا۔ چین نے غیر ملکی سرمایہ کاری کو اپنی جانب راغب کر کے اور اپنی صنعتی صلاحیتوں، تکنیکی مہارتوں اور افرادی قوت کی صلاحیتوں کو بہتر بنا کر اس لہر سے فائدہ اٹھایا۔ عالمی معیشت میں چین کا کردار بڑھنے لگا، یہاں تک کہ چین کو "دنیا کی ورکشاپ" کہا جانے لگا۔ 2001ء میں ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن میں چین کی شمولیت کے بعد

اس حیثیت کو مزید تقویت ملی، اور 2003ء سے 2008ء کے عرصے میں جب اس کی صنعتی برآمدات دوگنی ہوگئیں تو یہ حیثیت اور مستحکم ہوگئی۔ چین کو بڑے پیمانے پر "دنیا کی فیکٹری" کے نام سے جانا جانے لگا، جو ایک ایسی اصطلاح بن گئی جو کہ بین الاقوامی اداروں کی رپورٹس اور مالیاتی اخبارات میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوئی اور خاصی مقبول ہوئی۔ یوں چین مغربی سرمایہ دارانہ پروڈکشن کی لائن میں دور کونے میں لگی ایک ریاست کی حیثیت سے نکل کر عالمی اکنامک سپلائی چینز میں ایک بنیادی اور مرکزی ملک میں تبدیل ہوگیا۔

چین کے اس معاشی عروج کے ساتھ اکنامک کشش کا مرکز ایشیا کی طرف منتقل ہونا شروع ہوا، کیونکہ عالمی پیداوار اور تجارت میں ایشیا کا حصہ بڑھ رہا تھا، اور چین اس کے سب سے بڑے مستفید ہونے والوں میں سے ایک تھا۔ اس کامیابی کو چین کی سیاسی قیادت، وسیع داخلی مارکیٹ، وسیع صنعتی بنیاد، اور بنیادی ڈھانچے، تعلیم اور ٹیکنالوجی میں بڑے پیمانے پر اعلیٰ سطح کی سرمایہ کاری نے مزید تقویت دی۔

پھر تیسرے ہزار سالہ دور کی نئی صدی کا آغاز ہوا، جس میں مغربی امریکہ کے بین الاقوامی نظام میں زوال اور تھکن کے آثار اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے بحرانوں میں شدت ظاہر ہوئی۔ ان بحرانوں میں 2008ء کا عالمی مالیاتی بحران چینی حکمتِ عملی میں ایک اسٹریٹجک موڑ اور گہری تبدیلی کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔ عالمی معیشت کے تخمینوں پر مبنی مالیاتی میکانزم اور اداروں سے چین کا نسبتاً الگ رہنا اسے 2008ء کے ویسٹرن قرضوں کے بحران کے تباہ کن اثرات سے محفوظ رکھنے کا باعث بنا۔ چین کے اس تحفظ کو اس کے وسیع زرمبادلہ کے ذخائر، ریاست کے زیرِ سایہ بینکاری شعبے، بلند داخلی بچت اور عوامی سرمایہ کاری کو متحرک کرنے اور داخلی طلب کو ابھارنے کی مضبوط صلاحیت نے مزید تقویت دی۔ چنانچہ چین نے 2008ء کے بحران کو محض ایک سخت اقتصادی امتحان کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ اسے ایک ایسے فیصلہ کن لمحے کے طور پر دیکھا جس نے ویسٹرن مالیاتی ماڈل کی حدود کو عیاں کر دیا تھا۔ اس صورتحال نے چینی اشرافیہ کے اپنے ماڈل کی مضبوطی پر اعتماد کو تقویت دی، جس میں مالیات، پیداوار اور تجارت پر مرکزی ریاستی کنٹرول موجود تھا، اور یہ ایک ایسا موڑ ثابت ہوا جس نے چین کو بین الاقوامی نظام میں انضمام کی حکمتِ عملی سے آگے بڑھا کر سنجیدگی سے اس نظام کی تشکیلِ نو کے بارے میں کہیں زیادہ بلند عزائم کے ساتھ سوچنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ 2013ء میں چین نے بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو (BRI) کا آغاز کیا، جو ایک اقتصادی طاقت سے عالمی جیوپولیٹیکل سیاسی کردار کی طرف اس کی منتقلی کا اشارہ تھا۔ اس کے علاوہ امریکی ریاست کے سیاسی، اسٹریٹجک اور عسکری بحرانوں نے بھی ایک معاون عامل کے طور پر کردار ادا کیا۔ امریکہ کا یہ بحران سرمایہ دارانہ نظام کی

داخلی تقسیم اور اس کے سیاسی و ثقافتی اثرات، بڑھتی ہوئی داخلی امریکی تقسیم اور اس کے ریاست و خارجہ پالیسی پر اثرات، اور امریکی عسکری طاقت کو پہنچنے والے دھچکوں سے پیدا ہوا تھا، جنہوں نے یک طرفہ بالادستی برقرار رکھنے میں امریکی طاقت کی حدود اور اوقات کو واضح کر دیا تھا۔ بعد ازاں ٹرمپ انتظامیہ کے دور میں اور مغربی امریکی قیادت کی کشش میں کمی کے ساتھ، بیجنگ نے امریکی ریاست کے بحران سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی صنعتی، ٹیکنالوجی اور مالیاتی بنیاد اور بین الاقوامی تعلقات کو وسعت دی، اور اپنی اقتصادی حیثیت کو جیوپولیٹیکل سیاسی اثر و رسوخ میں تبدیل کرتے ہوئے خود کو ویسٹرن انٹرنیشنل آرڈر سے فائدہ اٹھانے والی ایک ریاست کی حیثیت سے بڑھا کر اس نظام کے قواعد کو چیلنج کرنے اور اسے از سرِ نو تشکیل دینے والی طاقت بننے کی طرف پیش قدمی کی۔

اور اس پیش قدمی کو ڈیجیٹل اور ٹیکنیکل انقلاب نے مزید تقویت دی۔ ڈیجیٹل معیشت کے عروج کے ساتھ طاقت کا پیمانہ صرف صنعتی پیداوار تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ مصنوعی ذہانت، ٹیلی کمیونیکیشن، ڈیٹا اور سیمی کنڈکٹرز بھی اس میں شامل ہو گئے۔ چین نے شروع میں ہی یہ جانچ لیا تھا کہ مستقبل کی دوڑ ٹیکنالوجی اور ٹیکنیکل اسٹینڈرڈز کے گرد مرکوز ہو گی۔ چنانچہ اس نے سائنسی تحقیق میں سرمایہ کاری تیز کر دی تاکہ خود اپنی مخصوص چینی ٹیکنالوجی تیار کر سکے، بالخصوص حساس شعبوں میں غیر ملکی ٹیکنالوجی پر انحصار کم کرنے کے لئے، اور یوں اس کے بعد چین نے اپنی ایجادات کے ذریعے عالمی منڈیوں میں اپنے ہمعصروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

چین کا عروج صرف اس کی داخلی طاقت کا نتیجہ نہیں تھا؛ بلکہ یہ اس عالمی نظام کے بتدریج کمزور ہونے کا بھی نتیجہ تھا جسے دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکہ نے قائم کیا اور یہ نظام اس کی قیادت میں ہی چلتا رہا، اور اسے سرد جنگ کے خاتمے کے بعد مزید مضبوط کیا گیا تھا۔ اس عالمی نظام کے ستون امریکی معیشت کی قیادت میں مغربی اقتصادی غلبہ، امریکی قیادت تلے عسکری برتری، اس نظام کی خدمت کرنے والے بین الاقوامی ادارے، اور اکنامک گلوبلائزیشن تھے۔ کئی دہائیوں تک ان عناصر نے ایک دوسرے کو تقویت دیئے رکھی: عسکری طاقت نے امریکہ اور مغرب کے لئے سکیورٹی کی چھتری فراہم کی؛ بین الاقوامی اداروں نے عالمی اقتصادی تعلقات کے ایک بڑے حصے کو منظم کیا اور مغربی بالادستی مسلط کرنے کے لئے جبری دباؤ کے حربوں کے طور پر کام کیا؛ جبکہ گلوبلائزیشن نے دنیا کی معیشتوں کو مغربی معیشت کے ساتھ مضبوطی سے جوڑ دیا۔

تاہم حالیہ دہائیوں میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جنہوں نے مغربی انٹرنیشنل آرڈر کے ستوں کمزور کر دیئے ہیں۔ ایشیائی معیشتوں کے عروج کے ساتھ ہی عالمی معیشت میں مغرب کا حصہ نسبتاً کم ہو گیا ہے، ٹیکنالوجی اور مینوفیکچرنگ کے مقابلہ میں اضافہ

ہوا، اور ایسے علاقائی طاقت کے مراکز ابھرے جو اپنے فیصلے کرنے میں زیادہ آزاد تھے۔ مزید یہ کہ، بعض بین الاقوامی اداروں کو نمائندگی اور قانونی جواز کے حوالے سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا، جبکہ کثیر القطبی (multipolar) دنیا کے بارے میں مباحثوں نے زور پکڑ لیا۔ اسی دوران گلوبلائزیشن ایک زیادہ پیچیدہ مرحلے میں داخل ہوگئی: مغربی معیشت پر انحصار گہرا کرنے کے ایک ذریعے کے طور پر کام کرنے کے بجائے اب یہ مغرب کے ساتھ مقابلہ کا ذریعہ اور میدان بھی بن گئی۔ اس صورتحال نے سپلائی چینز، ٹیکنالوجی کی سیکورٹی، اہم وسائل اور غیر ملکی ذرائع پر انحصار کا از سرِ نو جائزہ لینے پر مجبور کیا۔ گلوبلائزیشن، اس کے فلسفے اور اس کے قواعد اختلاف اور بحث کا موضوع بن گئے، جبکہ تحفظ پسند پالیسیاں—پابندیوں اور ٹیرف کی جنگوں کے ساتھ—متبادل کے طور پر پیش کی گئیں، جس کے نتیجے میں جیوپولیٹیکل عوامل ایک بار پھر عالمی معیشت کے مرکز میں آ گئے۔

جیسے جیسے مغربی انٹرنیشنل آرڈر کے ستون متزلزل ہوئے، طاقت کے تصور میں بھی ایک تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ اگرچہ پہلے اثر و رسوخ بنیادی طور پر عسکری اور مالی صلاحیتوں سے وابستہ ہوا کرتا تھا، لیکن ٹیکنالوجی نے اپنے ہارڈ ویئر، ڈیٹا، سیمی کنڈکٹرز، مصنوعی ذہانت، ٹیکنیکل اسٹینڈرڈ اور ڈیجیٹل انفراسٹرکچر کے ساتھ مل کر عالمی مقابلہ کی دوڑ میں مرکزی حیثیت اختیار کر لی ہے، جبکہ سائبر جنگ نے ریاستوں کی اسٹریٹجک ترجیحات میں مرکزی مقام حاصل کر لیا ہے۔ اس تبدیلی کے ساتھ بیسویں صدی کے وسط میں وضع کیے گئے قواعد بہت سے ابھرتے ہوئے مسائل سے نمٹنے کے لئے ناکافی ہوگئے، جس نے ان کی تجدید یا از سرِ نو تدوین کے بارے میں وسیع بحث کو جنم دیا۔ یوں سیاسی کشیدگی اور تقسیم اس سوال پر پیدا ہونے لگی کہ آیا مغربی امریکی نظام کو اپنی موجودہ شکل میں جاری رہنا چاہئے یا اسے تبدیل اور از سرِ نو تشکیل دینا چاہئے، جبکہ امریکہ اسے برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اصلاحات اور نئے حالات کے مطابق ڈھالنے کا مطالبہ کرتا رہا۔

دوسری طرف، چین کی قیادت میں مباحثے شروع ہوئے جو انٹرنیشنل آرڈر کے اداروں کے اندر اثر و رسوخ کی از سرِ نو تقسیم یا ایسے نئے فریم ورک قائم کرنے کے بارے میں تھے اور ان مباحثوں سے عالمی معیشت میں تبدیلیوں اور طاقت کے نئے توازن کی عکاسی ہوتی تھی۔ یہ اسٹریٹجک تبدیلی چین کے کردار کے حوالے سے اس منتقلی کی عکاسی کرتی ہے کہ جو ریاست پہلے ویسٹرن انٹرنیشنل آرڈر میں انضمام کی خواہاں تھی، اب وہ ایسی ریاست ہے جو اس نظام کو از سرِ نو تشکیل دینے کی خواہش رکھتی ہے۔ چین کی اس اسٹریٹجک تبدیلی کو محض ایک نئی اقتصادی طاقت کے عروج کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ اسے چین کے خود اپنے حوالے سے انٹرنیشنل آرڈر

میں اپنی حیثیت کے بارے میں اور عالمی صورتحال کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر میں بتدریج اور مسلسل اسٹریٹجک تبدیلی کے طور پر دیکھنا چاہیے۔

2008ء کا عالمی مالیاتی بحران چینی اسٹریٹجک سوچ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا، کیونکہ بیجنگ اس نتیجے پر پہنچا کہ مغربی ماڈل کو وہ فکری اور اقتصادی بالادستی حاصل نہیں رہی جو سرد جنگ کے بعد سے اسے حاصل تھی۔ اس کے بعد سے چین صرف بین الاقوامی نظام کے فوائد سے فائدہ اٹھانے پر ہی مطمئن نہیں رہا، بلکہ اس نے اپنے اثر ورسوخ کے آزاد ذرائع تعمیر کرنا شروع کیے۔ ان میں بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو، نئے مالیاتی ادارے، جیسے BRICS بینک، اپنی ٹیکنیکل موجودگی اور اثر ورسوخ میں توسیع، اور دنیا کے مختلف خطوں جیسا کہ گلوبل ساؤتھ، جس میں افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیائی ممالک شامل ہیں، ان میں اپنے جیو اسٹریٹجک اثر ورسوخ کو مضبوط کرنا شامل ہے۔ یہ اقدامات چین کے انٹرنیشنل نظام میں انضمام کی حیثیت سے نکل کر خود اپنے اثر ورسوخ کی طرف منتقلی کا اظہار تھے، جس کے بعد ویسٹرن انٹرنیشنل آرڈر کی از سرِ نو تشکیل کی کوشش کا مرحلہ آیا۔

اس دہائی کا آغاز چین کی اسٹریٹجک تبدیلی میں ایک فیصلہ کن موڑ تھا۔ 2020ء سے وائٹ پیپرز کے ایک سلسلے نے چین کے اسٹریٹجک وژن کو بیان کیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیجنگ بین الاقوامی نظام میں انضمام کے مرحلے سے باہر نکل کر ایک ایسے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے کہ اس عالمی نظام کو خود منظم کرنے اور اس کے قواعد کو از سرِ نو تشکیل دینے کے لئے ایک متبادل وژن وضع کرے۔ چین اب موجودہ نظام کے اندر صرف ایک بڑا حصہ مانگنے پر اکتفا نہیں کر رہا، بلکہ اس نے ایسے معیارات، قواعد، ادارے اور تصورات پیش کرنا شروع کر دیئے ہیں جو اس کے اسٹریٹجک وژن اور چینی ثقافت کے عناصر کی عکاسی کرتے ہیں اور مغربی ماڈل کے ساتھ براہِ راست ٹکراؤ کرتے ہیں۔ 2021ء کے وائٹ پیپر "چین: وہ جمہوریت جو کہ کام کر سکتی ہے" میں بیجنگ نے مغربی لبرل فریم ورک سے باہر جمہوریت کی نئی تعریف پیش کی اور جسے اس نے "جمہوریت کا مکمل عمل" قرار دیا—جسے نظام کی جانب سے عوام کے مفادات، ترقی اور استحکام کی خدمت کرنے کی صلاحیت کے طور پر بیان کیا گیا—اور یہ اقدام امریکہ اور مغرب کی اجارہ داری کے خلاف بغاوت کے آغاز کی علامت تھا۔ 2023ء کے وائٹ پیپر "مشترکہ مستقبل کی عالمی برادری: چین کی تجاویز اور اقدامات" میں بیجنگ نے عالمی نظام کے بارے میں اپنے وژن کو مزید واضح طور پر پیش کیا، اس میں موجودہ نظام پر تنقید کو بھی شامل کیا گیا اور ان فکری بنیادوں کے قانونی جواز پر سوال اٹھایا جن پر سرد جنگ کے بعد یہ نظام قائم کیا گیا تھا۔ 2023ء کے بیلٹ اینڈ روڈ وائٹ پیپر میں چین نے

اپنے اقدام کو دنیا کے سامنے محض ایک انفراسٹرکچر کے منصوبے کے طور پر نہیں بلکہ عالمی تجارت، مالیات اور باہمی رابطے کے نیٹ ورکس کو چینی وژن کے مطابق از سرِ نو تشکیل دینے کے جیواسٹریٹجک اقدام کے طور پر پیش کیا۔ اسی طرح 2025ء کے وائٹ پیپر "نئے دور میں نیشنل سکیورٹی" میں بیجنگ نے امریکی قیادت اور اس کے عالمی نظام کے تحت دنیا کو منتشر اور غیر مستحکم قرار دینے پر زور دیا۔ اس نے چینی سلامتی کو ان بنیادی تبدیلیوں کے ساتھ جوڑا جن سے عالمی نظام کو گزرنا لازمی ہو گا تاکہ چین کے عروج کی راہ کا تحفظ ممکن ہو سکے، اور اس بات پر زور دیا کہ امریکہ اور مغرب کے ساتھ مسئلہ محض حالات پر مبنی ایسا تنازع نہیں جسے حل کیا جا سکے، بلکہ مسئلہ خود نظام کے تعلقات اور قواعد کی بنیاد میں ہے۔ اس سال 2026ء کے تازہ ترین وائٹ پیپرز چین کی انٹرنیشنل آرڈر کو از سرِ نو تشکیل دینے کی کوشش کا سب سے واضح اظہار ہیں۔ یہ پیپرز داخلی ترقی اور ایک محفوظ علاقائی حصار کی بحث سے آگے بڑھ کر عالمی حکمرانی کے نظام، عالمی سکیورٹی، عالمی ترقی، عالمی تہذیب اور انسانیت کے مشترکہ مستقبل کی حامل کمیونٹی کے قیام کی حمایت کرتے ہیں۔

اپنی اسٹریٹجک تبدیلی میں چین تصورات کی ثقافتی تشکیلِ نو اور اصول و ضوابط کی از سرِ نو تشکیل بھی چاہتا ہے تاکہ یہ اس کے وژن اور مفادات کے مطابق عالمی نظام کی تشکیل کی طرف راہ ہموار کر سکیں۔ چین طاقت اور سکیورٹی کی توجہ کو صرف مضبوط عسکری طاقت کے ساتھ مخصوص تعلق سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، اور طاقت و سکیورٹی کے تصور کو ٹیکنالوجی، ڈیٹا، صنعتی اور ڈیجیٹل اسٹینڈرڈ اور سائبر صلاحیتوں تک وسعت دیتا ہے، تاکہ یہ طاقت، سکیورٹی اور دھاک بٹھانے اور دشمن کو باز رکھنے کے بنیادی ذرائع بن جائیں۔ اس کے بعد وہ ان اہم مسائل میں چین کی حیثیت اور مقام پر زور دیتا ہے جو عالمی سکیورٹی پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس سے چین اصول و ضوابط کی تشکیل اور عالمی نظام کی از سرِ نو تشکیل میں ایک کلیدی فریق بننے کا اہل ثابت ہوتا ہے، اور اس نظام کے اندر ایک بڑی جیوپولیٹیکل طاقت کا کردار ادا کر رہا ہے۔

چین بین الاقوامی ماحول کی از سرِ نو تشکیل کو خود نظام کی از سرِ نو تشکیل میں ایک فیصلہ کن عامل سمجھتا ہے، اس طرح کہ طاقت کے نئے توازن قواعد کی تبدیلی کا ایک فطری نتیجہ بن جائیں۔ اس تصور کی جڑیں مغربی نظریات کی نسبت چینی ثقافتی ورثے میں کہیں زیادہ ہیں، کیونکہ چین اپنی ثقافت کے تصورات کو جدید زبان میں نئے مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ہنری کسنجر نے اپنے حالیہ تجزیوں میں اس معاملے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ چین بین الاقوامی نظام کے ایک مختلف تصور کے تحت کام کرتا ہے اور اپنے

اسٹریٹجک وژن کے لئے ایشیائی تاریخ میں توازن کے تصور سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، جہاں کسی ایک واحد طاقت کو دوسروں پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرنی چاہیے۔

چینی سیاسی تاریخ—جو مسلسل شاہی خاندانوں کی حکمرانی پر قائم رہی—اور چینی سیاسی ثقافت اپنی بنیاد اور اساس کنفیوشس ازم میں رکھتی ہے، جو ایک فکری، اخلاقی اور سیاسی نظام ہے جس کی بنیاد چھٹی صدی قبل مسیح میں کنفیوشس (Confucius) نے رکھی تھی۔ دو ہزار سال سے زیادہ عرصے تک کنفیوشس ازم نے چینی ریاست، معاشرے اور ثقافت کی ثقافتی، سیاسی اور انتظامی بنیاد کو تشکیل دیا۔ آج بھی چین کی ثقافت، سیاست اور انتظامی امور میں اس کا اثر واضح طور پر موجود نظر آتا ہے، حتیٰ کہ 1912ء میں شاہی حکمرانی کے خاتمے، جمہوریہ کے قیام اور ریاست کی جانب سے سوشلسٹ نظام اپنانے کے بعد بھی۔ چنانچہ چینی اسٹریٹجک سوچ اپنی سیاسی تاریخ اور چینی سیاسی ثقافت سے معمور ہے۔ درحقیقت چینی مسئلے کے تجزیے میں ایک بڑی خامی چین کے منفرد ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی کردار کو نظر انداز کرنا ہے۔

عصرِ حاضر کی چینی حکمتِ عملی پر سب سے نمایاں اثرات میں سے ایک سن زو (Sun Tzu) کے جنگی فلسفے میں پایا جاتا ہے—جو چینی تاریخ کا سب سے مشہور عسکری مفکر ہے، جس کی طرف "آرٹ آف وار" کی تصنیف منسوب کی جاتی ہے، اور یہ کتاب چینی عسکری، اسٹریٹجک اور سیاسی فکر کی سب سے زیادہ بااثر کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس نے جنگ کو محض روایتی طاقت کا امتحان نہیں سمجھا بلکہ اسے عقل کا امتحان قرار دیا۔ اس کا مشہور قول "جنگ کا اعلیٰ ترین فن یہ ہے کہ دشمن کو لڑے بغیر ہی زیر کر لیا جائے" کسی تنازع سے مکمل طور پر بچنے کی دعوت نہیں ہے، بلکہ یہ اسٹریٹجک ماحول کو اس طرح تبدیل کرنے کی ہدایت ہے کہ براہِ راست تصادم غیر ضروری ہو جائے—اور یہی آج چینی حکمتِ عملی کا بنیادی فلسفہ ہے۔

چنانچہ چینی اسٹریٹجک سوچ اپنے ثقافتی پس منظر اور منفرد سیاسی روایت سے مسلسل رہنمائی اور تحریک حاصل کرتی ہے، اور حقیقت کے عناصر کو از سرِ نو ترتیب دینے کے بارے میں مسلسل سوچتی ہے تاکہ ایسا عالمی ماحول تشکیل دیا جا سکے جو اس کے مقاصد کی خدمت کرتا ہو، یہاں تک کہ اس کا مطلوبہ مقصد رونما ہونے والے واقعات کے فطری تسلسل کا خود بخود نتیجہ بن جائے۔ اسی وجہ سے چین بڑی بڑی فتوحات کے اعلانات میں کم دلچسپی رکھتا ہے اور طویل المدت ماحول اور رجحانات کی تشکیل پر کہیں زیادہ توجہ مرکوز کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس سوال پر اتنی توجہ نہیں دیتا کہ امریکہ کو کیسے شکست دی جائے، بلکہ وہ ایسی راہیں تلاش کرتا ہے کہ عالمی معیشت

اور تجارت، ٹیکنالوجی اور مالیات کے نیٹ ورکس کی ساخت اس طرح کیسے تبدیل ہو کہ طاقت کے مراکز کا ایشیا اور چین کی طرف منتقل ہونا ایک فطری نتیجہ بن جائے۔

اس نقطۂ نظر سے حالیہ وائٹ پیپرز کو ایسے دستاویزات کے طور پر پڑھا جاسکتا ہے جن کا مقصد غالب طاقت کے ساتھ براہِ راست اسٹریٹجک کشمکش کا اشارہ دینے کے بجائے عالمی نظام کے قواعد کی نئی تعریف اور از سرِ نو تشکیل کرنا ہے۔ ان دستاویزات میں عالمی حکمرانی کے نظام کی تعمیرِ نو، گلوبل ساؤتھ کے کردار میں توسیع، مقامی کرنسیوں کے استعمال کا فروغ، کثیر فریقی اداروں کی ترقی، اور ٹیکنالوجی وڈیجیٹل اکانومی میں نئے معیارات وضع کرنے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ یہ تمام کوششیں ایک ہی مقصد کی طرف مرکوز ہیں: یعنی اس ماحول اور نظام کی از سرِ نو تشکیل اور تبدیلی جو موجودہ ویسٹرن انٹرنیشنل آرڈر کی میزبانی کر رہا ہے۔

عالمی ماحول کو از سرِ نو تشکیل دینے کی اپنی کوشش میں ــــ اور بیجنگ کے اس یقین کی بنیاد پر کہ مغرب اب دنیا کی آبادی یا معیشت کی اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتا ــــ چین ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی اقوام کو آنے والے نظام میں اہم پارٹنرز کے طور پر مخاطب کرتا ہے۔ چین کے بیانات نظریاتی نہیں اور نہ ہی متنازع ثقافتی مسائل کو اٹھانے پر مبنی ہیں؛ بلکہ وہ سرمایہ کاری، مالیات، بنیادی ڈھانچے، ٹیکنالوجی اور تجارت میں اپنے اقتصادی ذرائع اور اضافی مالیاتی وسائل کو استعمال کرتے ہوئے مشترکہ مفادات کا ایک وسیع اتحاد قائم کرتا ہے۔ اس سے چینی اثر و رسوخ گلوبل ساؤتھ کی اقوام کی اقتصادی ترقی کا ایک لازمی حصہ بن جاتا ہے، اور یوں اس بلاک کو چینی حکمتِ عملی کے لئے عالمی ماحول کی از سرِ نو تشکیل کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے چین کا بنیادی ڈھانچے، سپلائی چینز، صنعتی معیارات، مصنوعی ذہانت، کمیونیکیشن نیٹ ورکس اور نئے مالیاتی اداروں میں سرمایہ کاری کی طرف رخ کو سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ محض اقتصادی ذرائع نہیں ہیں؛ بلکہ چین انہیں اس ماحول کی از سرِ نو تشکیل کے ذرائع سمجھتا ہے جس کے اندر عالمی طاقت کام کرتی ہے۔ اپنے اسٹریٹجک وژن میں چین اس خیال سے آگے ہی نہیں بڑھتا کہ عالمی نظام کو تبدیل کرنے کے لئے غالب طاقت کا تختہ الٹنا ضروری ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ایک زیادہ پیچیدہ اور باریک مفروضے پر عمل کرتا ہے کہ: اگر وہ معیارات اور قواعد ہی تبدیل کر دیے جائیں جن کے ذریعے نظام کام کرتا ہے، تو اس عمل کا فطری نتیجہ خود نظام کے مرکز میں تبدیلی اور منتقلی ہوگی ــــ یعنی اداروں کو تبدیل کرنے سے پہلے قواعد کو تبدیل کرنا ضروری ہے۔

عالمی نظام کے موجودہ اصول وضوابط میں خلل ڈالنے کے لئے چین نے جو اقدامات کیے ہیں ان میں تجارت میں مقامی کرنسیوں کے استعمال کو وسعت دینا تاکہ امریکی ڈالر کی بالادستی کو کمزور کیا جاسکے، متوازی ادائیگی اور لین دین کے نیٹ ورکس تعمیر کرنا تاکہ SWIFT نظام کی اجارہ داری کو چیلنج کیا جاسکے، نئے ترقیاتی بینک قائم کرنا تاکہ مغربی عالمی بینک اور عالمی مالیاتی فنڈ (IMF) کی اجارہ داری کو توڑا جاسکے، مغربی اجارہ داریوں میں خلل ڈالنے کے لئے ٹیکنیکل اسٹینڈرڈز وضع کرنا، اور مغربی ڈیجیٹل بالادستی کا مقابلہ کرنے کے لئے آزاد ڈیجیٹل نیٹ ورکس تیار کرنا شامل ہیں۔ سرمایہ کاری اور مالیاتی وسائل کے ذریعے چین ان طریقوں کو وسیع پیمانے پر رائج کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ ایک متوازی ماحول پیدا ہو جو بین الاقوامی اداروں کو اس کے مطابق ڈھلنے پر مجبور کرے، یوں قواعد میں تبدیلی ایک مطالبہ اور فطری نتیجہ بن جائے اور دوسروں کو اس نئے فریم ورک کے اندر کام کرنے پر مجبور کر دے۔ قواعد کی از سرِ نو تشکیل کے لئے یہ طریقہ کار بالکل وہی ہے جسے چین سپلائی چینز، انفراسٹرکچر، ٹیکنالوجی، فائنانس، چینی صنعتی، ڈیجیٹل اور سائبر اسٹینڈرڈز، اضافی مالیاتی وسائل اور مالی مراعات کے ذریعے تعمیر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عالمی طاقت کے مرکز میں اس بتدریج تبدیلی کے ابتدائی آثار پہلے ہی دکھائی دے رہے ہیں: تجارت کا مرکز ایشیا کی طرف منتقل ہو رہا ہے، مینوفیکچرنگ کا مرکز پہلے ہی ایشیا میں ہے، ترقی کا مرکز ایشیا کی طرف بڑھ رہا ہے، تکنیکی ایجادات کا زیادہ تر حصہ ایشیا سے آرہا ہے، اور ایشیا پر جیو اسٹریٹجک توجہ بڑھ رہی ہے۔ یوں چین بین الاقوامی ماحول کی تیاری کو اس طریقے کے طور پر دیکھ رہا ہے جس سے اصول وضوابط میں اس کی تجویز کردہ تبدیلیاں نظام کی تباہی کے بجائے اس نظام کی اصلاحات دکھائی دیں۔

چین کی اسٹریٹجک منطق اور منصوبہ بندی اس اسٹریٹجک مساوات کو حل کرنے پر مرکوز ہے: یعنی نظام کے قواعد کو کس طرح ایسے از سرِ نو تشکیل اور ڈیزائن کیا جائے کہ چین کا عروج ان قواعد کا ایک منطقی اور فطری نتیجہ بن جائے۔ چین اپنے اسٹریٹجک کام کو سخت گیر طاقت کے دائرے میں نہیں بلکہ قواعد، معیارات اور اداروں کی از سرِ نو تشکیل میں دیکھتا ہے تاکہ بین الاقوامی ماحول کو نئے سرے سے ڈیزائن کرکے عالمی کششِ ثقل کے مرکز کو دوبارہ متعین اور منتقل کیا جاسکے، جبکہ دوسروں کو ان قواعد، معیارات اور اداروں کے اندر کام کرنے کی طرف راغب کیا جائے جنہیں اس نے اپنے مفادات اور وژن کے ساتھ مکمل ہم آہنگی میں از سرِ نو تشکیل دے دیا ہے۔ چین کے وائٹ پیپرز بنیادی طور پر اس کے اپنے عالمی نظام کے وژن کے اسٹریٹجک خاکے ہیں، کیونکہ چین محض اس نظام

کا ایک ستون بننے کے بجائے اس نئے نظام کا بنیادی معمار بننے کی کوشش کر رہا ہے—اور یہی چینی بالادستی کی ایک طویل المدت بنیاد ہے۔

یہ حکمتِ عملی ایک مخصوص چینی وژن ہے، اور اس کی حدود اور خامیوں پر بحث کی جاسکتی ہے۔ تاہم اہم معاملہ، جسے نظر انداز یا فراموش نہیں کرنا چاہیے، یہ ہے کہ یہ تمام اسٹریٹجک کوششیں حقیقت میں ایک ایسی ایک فکری تحقیق کے طریقۂ کار کی ہیں کہ اس ثقافتی نظام—فلسفے اور نظام کی جڑ—کے مقاصد اور اہداف کو کیسے حاصل کیا جائے۔ حکمتِ عملی اپنی اہمیت کے باوجود ثقافتی تصور کے مقاصد اور غرض کو حاصل کرنے کا محض عملی ذریعہ ہوتی ہے، اور یہاں وہ تصور مغربی سرمایہ دارانہ لبرل تصور ہے۔ بنیادی تصور کی سطح پر چین کوئی نئی چیز تخلیق نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی نیا پن پیش کرتا ہے؛ اس کی کنفیوشسی ثقافت کا اثر ذرائع اور اسٹریٹجک منصوبہ بندی سے متعلق بعض عملی طریقۂ کار سے آگے نہیں بڑھتا۔ چین اس ثقافتی نظام کے قلب میں موجود سرمایہ دارانہ تصور تک نہیں پہنچتا—جو اقدار تخلیق کرنے، تصورات کو جنم دینے، نظام تشکیل دینے اور معنی، مقاصد اور اہداف متعین کرنے کے لئے تہذیبی رحم کی حیثیت رکھتا ہو۔ حکمتِ عملی تصور کے تابع اور اس کے اغراض و مقاصد کی خادم رہتی ہے، اور محض اس تصور کے نفاذ کے آلے کے طور پر کام کرتی ہے۔ چین اپنے لئے کوئی منفرد تہذیبی وژن پیش نہیں کرتا؛ بلکہ گزشتہ صدی کے آغاز سے، یعنی 1912ء میں جمہوریہ چین کے قیام، سوشلسٹ طرزِ حکمرانی اپنانے اور بعد ازاں سرمایہ دارانہ معیشت کو اس میں ضم کرنے کے بعد سے چین مغربی تہذیبی و سیاسی وژن کے ساتھ منسلک اور اس کا پابند رہا ہے۔ اور اس کے پاس اپنا کوئی منفرد ثقافتی اور تہذیبی منصوبہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ ایسا کوئی منصوبہ پیش کرنے کا دعوٰی کرتا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ آج دنیا کا مسئلہ حکمتِ عملی اور اسٹریٹجک سوچ سے آگے بڑھ کر اس تہذیبی نظام تک پہنچتا ہے جو انسان، اس کی بقا کے مسائل، اس کے نظام ہائے زندگی اور اس کی تسکین و اطمینان سے متعلق ہے۔ آج انسانی عقل کے سامنے جو سوال موجود ہے وہ مغربی سیکولر سرمایہ دارانہ تہذیبی نظام، یعنی اس نظام کے تباہ کن نتائج اور تہذیبی المیے کا متبادل تلاش کرنا ہے، نہ کہ ایسا راستہ وضع کرنے کی حکمتِ عملی جو بالکل انہی زہریلے اور تباہ کن سرمایہ دارانہ لبرل نتائج اور اہداف تک پہنچاتا ہو۔

مسئلہ مغربی سیکولر سرمایہ دارانہ تہذیبی نظام، اس کے فلسفۂ وجود، اس کے نظام ہائے زندگی اور اس کے غیر انسانی مقاصد و اہداف میں ہے۔ اس سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے وجود کی وجہ ہی کھو دی ہے، اپنے تمام مقاصد کو ختم کر چکا ہے، اور مکمل بے معنویت، مکمل

سفاکیت اور اپنے سرمایہ دارانہ گروہ کے بے لگام غلبے پر آ پہنچا ہے۔ اپنے مذموم عزائم کی خاطر سرمایہ داروں کا یہ گروہ کرۂ ارض اور اس پر موجود ہر شخص کو جلا دینے کے لئے بھی تیار ہے۔ لہٰذا مسئلہ یورپی-امریکی سرمایہ دارانہ گروہ کو چینی سرمایہ دارانہ گروہ، چینی کمیونسٹ پارٹی اور اس کی ریاست سے تبدیل کرنا نہیں ہے۔ زہریلا سرمایہ دارانہ تصور ان سب میں مشترک اور ایک ہی ہے خواہ یورپ، امریکہ یا چین کے ذریعے پیش کیا جائے، اور اس سرمایہ دارانہ تصور کے تباہ کن نتائج خود اس نظام کے خمیر اور نظام کی بنیادی فطرت سے جنم لیتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام، اپنے سفاک وژن کی زیادتی اور اپنی تہذیب کی بربریت کے ساتھ، ایک سنگین المیہ اور تباہی کا ایک منصوبہ بن چکا ہے۔

ثقافتی سطح پر دیکھا جائے تو چین کوئی نئی بنیاد نہیں رکھتا، کوئی نئی چیز تخلیق نہیں کرتا، اور نہ ہی اپنا کوئی متبادل ثقافتی و تہذیبی منصوبہ رکھتا ہے یا پیش کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یعنی چین کا یہ تصور خود وہی بحران زدہ سرمایہ دارانہ نظام ہی ہے، اور اس کے اندر چین کا سب سے بڑا قدم یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ تباہی کی کدال امریکہ کے ہاتھ سے چھین کر اپنے ہاتھ میں لے لے، تاکہ قواعد کی تبدیلی کی حکمتِ عملی کے ذریعے معیشت اور سرمایہ دارانہ بالادستی کے مرکز کو امریکہ-یورپ کے مغرب سے چینی مشرق کی طرف منتقل کیا جا سکے۔

جب تک یہ سرمایہ دارانہ نظام، جو کہ نوعِ انساں کی تباہی کا سبب ہے، قائم رہے گا، انسانیت کا مسئلہ بھی برقرار رہے گا اور اس کا المیہ بھی قائم رہے گا۔ حل صرف نظام کے خاتمے یا اس کی بنیادی ریاست، امریکہ، کے زوال میں، یا اس کو ختم کرنے اور طاقت کے مرکز اور سرمایہ دارانہ بالادستی کے مرکز کو چین منتقل کرنے میں نہیں ہے۔ بلکہ حل اس ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی متبادل میں ہے جو دنیا کو اس اندھی جاہلیت کے اندھیروں سے آزاد کرے جس میں یورپی اور امریکی مغرب نے دنیا کو بدبختی اور خودکشی کے طور پر دھکیل دیا ہے۔ یقیناً چین وہ متبادل نہیں ہو گا، کیونکہ وہ صرف مغرب کی ظالمانہ جاہلیت کا ایک تسلسل ہی ہے جو کہ اس کا وہ چینی ایڈیشن ہے، جو مزید مصیبتوں اور زیادہ بربادی کا حامل ہے۔ بلکہ حقیقی نجات اور حقیقی آزادی تمام جہانوں کے رب کے پیغام میں ہے: یعنی اسلام کا منفرد تہذیبی منصوبہ اور اس کی منفرد اور ممتاز خلافتِ راشدہ۔ تو کیا اسلام کے فرزند اب بھی اپنے جلدی نہیں کریں گے تاکہ کفر کو اس کی تمام شکلوں اور رنگوں سمیت ختم کر دیں اور اسلام کی عظیم عمارت قائم کریں، یعنی نبوت کے طریقے پر خلافتِ راشدہ، جو اللہ کی زمین پر اس کے بندوں کے لئے ایک نور، ہدایت، عدل اور رحمت ہو؟

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿الر ۚ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾

"الٓر، یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائیں، اس زبردست، قابلِ تعریف ذات کے راستے کی طرف" [سورۃ ابراہیم؛14:1]

مزید فرمایا؛

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے"[سورۃ الحج؛22:41]

اور مزید ارشاد ہے،

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ﴾

"اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"[سورۃ یوسف؛12:21]

فہرست

صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ رضي الله عنها..بغض وعداوت کے ایک مسکن سے نبوت کے عظیم وپاکیزہ گھرانے تک!

أستاذ عبد السلام البدري

اسلام میں حسب نسب، نسل اور آباؤ اجداد کی تاریخ کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں؛ انسان کی اصل قدر و فضیلت صرف ایمان اور حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے میں ہے۔ یہ ایک ایسی خاتون کی داستانِ حیات ہے جن کی زندگی میں غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعات گزرے۔ وہ حُيي بن أخطب کی صاحبزادی تھیں، جو بني النضير کے نمایاں ترین سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ بعد ازاں انہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا اور وہ اُمہات المؤمنین میں شامل ہوئیں۔ یہ عظیم المرتبت خاتون صفية بنت حيي رضي الله عنها ہیں، جن کا تعلق ایسے گھرانے سے تھا جو نبوت کے گھرانے کے ساتھ اپنی شدید عداوت کے لئے جانا جاتا تھا۔

ان کے والد حُيي بن أخطب، بنو نضیر کے سرداروں میں سے تھے، اور بعد ازاں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسانے اور دشمنی میں پیش پیش رہنے والوں میں شمار ہوئے۔ انہوں نے مدینہ منورہ کے خلاف قبائل (احزاب) کو مجتمع کرنے کی بھرپور کوشش کی، اور بنو قریظہ کو اس بات پر اکسایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا اپنا عہد توڑ دیں۔ تاہم اسلام کا اصول یہ ہے کہ کسی شخص کو اس کے باپ کے کئے گناہوں کا ذمہ دار قرار نہیں دیتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿**وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى**﴾ **"کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"** [سورۃ الانعام؛6:164]

چنانچہ صفیہ رضی اللہ عنہا نہ تو اپنے والد کے فیصلوں کی ذمہ دار تھیں اور نہ ہی اپنی قوم کے موقف کی۔ بلکہ ان کے سامنے ایک ذاتی آزمائش تھی: کہ جب حق ان پر واضح ہو جائے گا تو وہ کیا معاملہ کریں گی، کیا وہ اسے قبول کر لیں یا اس سے روگردانی اختیار کریں؟ اور یہیں سے ہی ہدایت کے عظیم قصوں میں سے ایک ایمان افروز داستان کا آغاز ہوتا ہے۔

قبولِ اسلام سے قبل کی صفیہ:

فتحِ خیبر کے بعد صفیہ رضی اللہ عنہا قید میں آگئی تھیں۔ بنو نظیر کے سردار کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے وہ بلند نسب و شرف کی حامل تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ان کے حسب و نسب اور مرتبہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ اکرام و احترام کا معاملہ فرمایا اور انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو اپنے دین پر برقرار رہیں اور آزاد کر دی جائیں، یا اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کی زوجیت اختیار کر لیں۔ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کو قبول کرنے کا فیصلہ اختیار کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرما دیا، پھر ان سے نکاح فرمایا، اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں مستند سند کے ساتھ مروی اور ثابت ہے۔

یہاں ہمیں توقف کر کے اس واقعے میں گہری بصیرت اور تدبر کے ساتھ غور کرنا چاہیے:

صفیہ رضی اللہ عنہا سے یہ مطالبہ نہیں کیا گیا تھا کہ وہ اپنے والد کے کئے گئے غلط اعمال کا خمیازہ بھگتیں۔ انہوں نے اپنے لئے ایک نئی راہ کا انتخاب کیا، جو کہ ایمان کا راستہ تھا۔ یوں اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگرچہ کوئی شخص ایسے ماحول اور معاشرے میں پیدا ہوا ہو جو حق سے کوسوں دور بھی ہو، تب بھی جب اس پر حق واضح ہو جائے تو اسے حق کو پہچان کر اسے اختیار کرنے کی پوری استطاعت اور آزادی حاصل ہوتی ہے۔

اسیری سے لے کر محترم و مکرم ہونے تک

رسول اللہ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے ماضی یا آپ ﷺ کے دشمنوں سے ان کا نسب ہونے کو ایسا سبب نہیں بنایا کہ جس سے انہیں حقیر سمجھا جائے یا ان کی تحقیر ہو؛ بلکہ وہ آپ ﷺ کی زوجۂ محترمہ بنیں اور اُم المؤمنین کے جلیل القدر مقام پر فائز ہوئیں۔ یہ واقعہ سیرتِ نبوی ﷺ کے عظیم ترین اسباق میں سے ایک ہے۔

اسلام کبھی کسی شخص کے لئے ہدایت کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ ممکن ہے کوئی شخص ایسے گھرانے میں پیدا ہو جو اسلام سے عداوت رکھتا ہو، لیکن وہ اہلِ اسلام میں شامل ہو جائے اور عزت و تکریم کے بلند مقام سے سرفراز ہو۔ کوئی باپ ایک راستے پر ہو سکتا ہے جبکہ اس کی اولاد کسی دوسرے راستے کو اختیار کر سکتی ہے؛ کیونکہ حقیقی میزان تو صرف تقویٰ اور ایمان ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ "بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے"** [سورۃ الحجرات؛49:13]

گھرانۂ نبوت میں صفیہ رضی اللہ عنہ

صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے گھرانے میں آئیں اور اُمہات المؤمنین میں سے ایک عظیم المرتبت اُم المؤمنین بن گئیں۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان غیرت و رقابت کا پایا جانا بشری فطرت کا ایک طبعی امر تھا، تاہم رسول اللہ ﷺ ہر صورتِ حال کو نہایت حکمت، شفقت اور حسنِ تدبیر کے ساتھ سنبھالتے تھے۔ ان واقعات میں ایک نہایت اثر انگیز واقعہ وہ ہے جب صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے نسب و خاندان کے متعلق کہے گئے بعض کلمات سے رنجیدہ ہوئیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور ان کے بلند و معزز مقام کی یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا، «إنك لإبنة نبي (يقصد موسى عليه السلام)، وإن عمك لنبي (يقصد هارون عليه السلام)، وإنك لتحت نبي» "بے شک آپ ایک نبی (موسیٰ علیہ السلام) کی بیٹی ہیں، آپ کے چچا ایک نبی (ہارون علیہ السلام) ہیں، اور آپ ایک نبی (محمد ﷺ) کے نکاح میں ہیں"۔

اس ارشادِ نبوی ﷺ میں صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے تسلی بھی تھی، ان کی عزت و تکریم کا اظہار بھی، اور یہ یاد دہانی بھی کہ ان کا تعلق جس گھرانے سے اب قائم ہو چکا ہے، وہ گھرانۂ نبوت ہے۔

پھر آپ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا سے ایسے کلمات ارشاد فرمائے جنہوں نے ان باتوں سے پہنچنے والی دل آزاری اور رنج کے اثر کو زائل کر دیا۔ یوں رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی تکریم اور وقار کی مکمل حفاظت فرمائی اور کبھی یہ اجازت نہ دی کہ باہمی غیرت و رقابت ناانصافی، زیادتی یا کسی کی تحقیر و تذلیل کی صورت اختیار کر لے۔

صفية... زوجۂ رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک، محبت اور شفیقانہ رفاقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ اس کی ایک مثال وہ روایت ہے جسے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے اپنی چادر اونٹ کی کمر پر بچھا دی تاکہ وہ اس پر سوار ہو سکیں۔ یہ آپ ﷺ کی رحمت، شفقت اور حسنِ معاشرت کی روشن مثال ہے۔

اسی طرح جب صفیہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی دوسری زوجۂ مطہرہ، زینب رضی اللہ عنہا، کسی موقع پر ٹھوکر کھا بیٹھیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا، «إنكما لابنتا نبي» "بے شک آپ دونوں ایک نبی کی بیٹیاں ہیں"۔

اس ارشاد میں ان کے دلوں کی دل جوئی اور تسکین بھی تھی اور اپنے اہلِ بیت کی عزت افزائی اور تکریم بھی۔

رسول اللہ ﷺ کے عظیم اخلاق کو ظاہر کرنے والا ایک واقعہ

سیرتِ نبوی ﷺ کے بہترین واقعات میں سے ایک نہایت قابلِ ذکر واقعہ وہ ہے جسے بخاریؒ اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ، صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، جبکہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے۔ جب آپ ﷺ انہیں ان کے گھر تک واپس چھوڑنے کے لئے ان کے ساتھ روانہ ہوئے تو دو انصاری صحابہ وہاں سے گزرے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اپنی رفتار تیز کر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا، «على رسلكما، إنها صفية بنت حيي» "اپنی رفتار معمول پر رکھو، ٹھہرو! یہ صفية بنت حيي ہیں"۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا، «إن الشيطان يجري من ابن آدم مجرى الدم» "بے شک شیطان انسان کے اندر خون کی گردش کی طرح دوڑتا رہتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے شک اور بدگمانی کے لئے کوئی گنجائش ہی نہ رہنے دی۔ اور نہ ہی آپ ﷺ نے ایسا فرمایا کہ، "میں اللہ کا رسول ہوں، لہٰذا لوگوں کو میرے بارے میں حسنِ ظن ہی رکھنا چاہیے"۔ بلکہ آپ ﷺ نے اُمت کو یہ تعلیم دی کہ حرمت و وقار کی حفاظت کی جائے، افواہوں اور بدگمانیوں کے تمام راستے مسدود کیے جائیں، اور سوءِ ظن کو اس کی جڑ ہی سے ختم کر دیا جائے۔

صفية رضي الله عنها کی حیاتِ طیبہ سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

اول: اپنے خاندان کے ماضی کو یہ اجازت نہ دیں کہ وہ آپ کے اپنے مستقبل کے فیصلے کرے

کوئی شخص نیک اور صالح باپ کی اولاد ہونے کے باوجود بھی راہِ حق سے بھٹک سکتا ہے، یا پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسے شخص کی اولاد ہو جو حق سے بہت دور تھا، لیکن وہ خود ہدایت پا جائے۔ کسی شخص کا یہ کہنا درست نہیں کہ، "میں ایسا ہی ہوں کیونکہ میرا باپ بھی ایسا ہی تھا"، اسی طرح کسی شخص کے بارے میں محض اس کے والد یا قبیلے کی نسبت سے کوئی رائے قائم کر لینا بھی درست نہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ "ہر نفس اپنے کئے ہوئے اعمال کے بدلے رہن ہے" [سورۃ المدثر؛74:38]

دوئم: جب حق واضح ہو جائے تو درست موقف صرف یہی ہے کہ حق کو دل سے قبول کر لیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے

صفیہ رضی اللہ عنہا نے قبائلی وابستگی کو اپنے اور حق کے درمیان ہرگز حائل نہیں ہونے دیا۔ اس واقعے میں ہر شخص کے لئے ایک نہایت اہم سبق ہے: جب کسی شخص پر اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور سنتِ رسول ﷺ سے کوئی دلیل واضح اور روشن ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے مقابلے میں معاشرتی رسوم ورواج یا روایات، قوم پرستی، سیاسی پارٹی، ذاتی مفاد یا ورثہ میں ملے فکری تصورات کو ہرگز کوئی ترجیح نہ دے۔

سوئم: اسلام لوگوں کو اسلامی عقیدہ پر ہی متحد کرتا ہے

صفیہ رضی اللہ عنہا ایسے لوگوں اور خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جن کا دین مسلمانوں کے دین سے مختلف تھا، لیکن پھر بھی وہ اُم المؤمنین کے عظیم منصب پر فائز ہوئیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلام کا رشتہ خون، نسل اور قبیلے کے تمام رشتوں سے کہیں زیادہ مضبوط اور مستحکم ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ "بے شک مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں" [الحجرات؛49:10]

چہارم؛ یہ ہرگز جائز نہیں کہ کسی شخص پر اس کے (خاندان یا خطے سے) تعلق یا وابستگی کے باعث کوئی زیادتی کیا جائے

خطرناک ترین غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص کے قبیلے، خاندان یا نسب وپس منظر کی بنیاد پر اس کے بارے میں فیصلہ کر لیا جائے اور اسے اس بنیاد پر ذمہ دار ٹھہرا لیا جائے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا اس اصول کی نہایت واضح مثال ہیں: ان کے والد مسلمانوں کے سخت ترین مخالفین میں سے تھے، لیکن خود صفیہ رضی اللہ عنہا اُمہات المؤمنین میں سے ایک ہیں۔ لہٰذا کسی بے گناہ شخص کو دوسرے کے جرم کی پاداش میں سزا نہیں دی جا سکتی۔

صفیہ رضی اللہ عنہا، تاریخ کا محض ایک قصہ ہی نہیں ہیں

صفیہ رضی اللہ عنہا کی داستان محض ایک ایسی خاتون کا تذکرہ نہیں کہ جن سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا۔ بلکہ یہ دراصل ایک قصۂ ہدایت ہے۔ یہ اس حقیقت کی کہانی ہے کہ ایک شخص اپنے مخصوص ماحول اور معاشرتی پس منظر کی گرفت سے آزاد ہو کر بھی حق تک پہنچ سکتا ہے؛ یہ قصہ اس امر کی گواہی ہے کہ اسلام انسان کو قبائلیت کے زاویۂ نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ ایمان کے معیار سے دیکھتا ہے؛ اور یہ کہانی اس حقیقت کو بھی نمایاں کرتی ہے کہ گھرانۂ نبوت رحمت، تعظیم و حرمت، تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفس کا مرکز تھا۔ اسی لئے جب ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتے ہیں، ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ "پس ان کی ہدایت کی پیروی کرو" [سورۃ الأنعام؛6:90]۔

تو ہمیں اسے محض گزرے ہوئے ماضی کی ایک تاریخی داستان کے طور پر نہیں پڑھنا چاہئے، بلکہ اسے اس دعوت کے طور پر سمجھنا چاہیے کہ ہم انبیائے کرام علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایت اور ان کی پیروی کرنے والوں کو اپنے لئے نمونہ بنائیں اور اسی راستے پر چلنے کی کوشش کریں۔

آج اس دور میں صفیہ... ہم سے کیا فرما رہی ہیں؟

صفیہ رضی اللہ عنہا کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ: حق کی پیروی محض اس لئے نہ کرو کہ آپ کے آباؤ اجداد اس پر قائم تھے، اور حق کو صرف اس لئے رد نہ کرو کہ آپ کے مخالفین ایسے ہی کہا کرتے ہیں۔ قبائلی تعصب کو اپنے اور ہدایت کے درمیان حائل نہ ہونے دو۔ جب حق تم پر واضح ہو جائے تو اسے اختیار کرنے میں جرأت و استقامت کا مظاہرہ کرو۔ جب تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جان لو تو اپنی پوری اطاعت اور وابستگی اسی کے لئے خالص کر دو۔ جب تم رسول اللہ ﷺ کو جان لو تو آپ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کرو۔ اگر تمہارے خاندان کا کوئی فرد غلطی کا ارتکاب کرے تو اس کے گناہ کا بوجھ اپنے سر نہ لو۔ اور اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے تو اس کی بدسلوکی کو حق ترک کر دینے کا سبب نہ بننے دو۔

صفیہ رضی اللہ عنہا حُيي بن أخطب کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، لیکن انہوں نے اپنے والد کے موقف کو اپنی مستقل تقدیر نہیں بننے دیا؛ بلکہ ان کی زندگی کا نقطۂ عروج یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ بنیں اور اُمّ المؤمنین کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوئیں۔

پس،

اے راہِ ہدایت کے طالب! یہ نہ دیکھو کہ تم کہاں سے آئے ہو، بلکہ اس پر نگاہ رکھو کہ تمہاری منزل کہاں ہے اور تم کس سمت بڑھ رہے ہو۔

اے **اسلام کی فکر رکھنے والے!** لوگوں کی ہدایت کے لئے کبھی مایوس نہ ہونا؛ کیونکہ جس شخص کو تم حق سے بہت دور سمجھتے ہو، بعید نہیں کہ وہی آگے چل کر اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندوں میں شامل ہو جائے۔

اے **قابلِ اقتدا نمونہ کی تلاش کرنے والے!** انبیائے کرام علیہم السلام کی ہدایت کو اپنا نمونہ بناؤ، رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق و اوصاف کو اپناؤ، اور اس ہدایت، رحمت اور عدل کی پیروی کرو جسے آپ ﷺ لے کر آئے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾

"بے شک تمہارے لئے اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور روزِ آخرت پر امید رکھتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے" [الأحزاب؛ 33:21]۔

اللہ اُم المؤمنین صفية بنت حيي رضی اللہ عنہا پر اپنا کرم و رحم فرمائے، اور ہمیں ان کے ساتھ جنت کے نعمت بھرے باغوں میں جمع ہونے کی سعادت عطا کرے۔

فہرست

عالمی اثرات اور اسلامی نظام کے متبادلات کے مابین افراطِ زر اور مانیٹری نظام کی تبدیلیاں

خالد الخیر

معاشی افراطِ زر (Inflation) ان مظاہر میں سے ایک ہے جو پالیسی سازوں اور معاشروں، دونوں کی سب سے زیادہ توجہ کا مرکز ہے۔ اکنامک افراطِ زر محض اعداد و شمار کے ڈیٹا کا ایک عدد نہیں جو خبروں میں اعلان کر دیا جائے، بلکہ ایک ایسی مخفی قوت ہے جو مال و دولت کو نئے سرے سے مرتب و تشکیل دیتی ہے، افراد کی قوتِ خرید کو متاثر کرتی ہے، اور براہِ راست معاشرتی استحکام پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں ہم افراطِ زر کا گہرائی سے تجزیہ کریں گے تاکہ یہ سمجھ سکیں کہ افراطِ زر حقیقت میں کیا ہے، اس کے اسباب کیا ہیں، اور وہ کون سے بین الاقوامی مالیاتی طریقہ کار ہیں جو اسے کنٹرول کرتے ہیں۔ اور آخر کار ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ موجودہ مانیٹری سسٹم افراطِ زر پر کیا اثر ڈالتا ہے اور اسلامی معاشی نظام اس مسئلے کے لئے کون سے بنیادی حل پیش کرتا ہے؟

اول: افراطِ زر کا تصور اور اس کے بنیادی اسباب

اقتصادی نظام کا تعارف:

افراطِ زر (مہنگائی-Inflation) سے مراد وقت گزرنے کے ساتھ کرنسی کی قوتِ خرید میں مسلسل اور نمایاں کمی ہے، جس کا نتیجہ اشیاء اور خدمات کی عمومی اور مسلسل قیمتوں میں اضافے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ افراطِ زر کے ماحول میں اشیاء کی اپنی حقیقی قدر میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ دراصل نقدی اپنی قدر اور نسبتاً قیمت کھو دیتی ہے۔

افراطِ زر پیدا ہونے کی بنیادی وجوہات:

اسباب کی بنیاد پر افراطِ زر کو تین بڑے طریقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

طلب میں اضافے سے ہونے والا (Demand-Pull) افراطِ زر:

یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لوگوں کی قوتِ خرید اور مجموعی طلب، اشیاء اور خدمات کی دستیاب مقدار سے بڑھ جائے، یعنی "مال زیادہ ہو اور اشیاء کم ہوں"۔

لاگت میں اضافے سے پیدا ہونے والا (Cost-Push) افراطِ زر:

یہ پیداواری لاگت کے عوامل میں اضافے کا نتیجہ ہوتا ہے، جیسے کہ توانائی، تیل و گیس، خام مال کی قیمتیں، یا مزدوروں کی اجرت؛ اور ان عوامل میں ہونے والا یہ اضافہ پیداوار کے حامل مالکان اور اداروں کو اپنے منافع کی شرح برقرار رکھنے کے لئے حتمی قیمتیں بڑھانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

لامحالہ افراطِ زر (Built-In Inflation):

اس کا تعلق مستقبل کی توقعات سے ہوتا ہے، جہاں ملازمین و مزدور روزمرہ گزران کے بڑھتے ہوئے اخراجات کا مقابلہ کرنے کے لئے زیادہ تنخواہوں کا مطالبہ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں آجران اضافہ شدہ اجرتوں کو پورا کرنے کے لئے اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں، اور یوں معیشت "اجرت اور قیمتوں کے چکر" (wage-price spiral) میں پھنس جاتی ہے۔

دوئم: مہنگائی (افراطِ زر) کے پیمانے اور اس کے درجات

جانچ و پیمانے کے طریقے:

صارفین کے لئے قیمتوں کا اعشاریہ (CPI): یہ پیمانہ ایک اوسط خاندان کی روزمرہ کی بنیادی اشیاء اور خدمات کی ایک فرضی "ٹوکری" (basket) کے مجموعی اخراجات میں ہونے والی تبدیلی کو ناپتا ہے۔ اس ٹوکری میں خوراک، رہائش، ٹرانسپورٹ اور صحت کی سہولیات وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔

پیداواری قیمتوں کا اعشاریہ (PPI): یہ پیمانہ پیداوار کے ابتدائی مراحل میں خام مال اور نیم تیار اشیاء کی قیمتوں میں ہونے والی تبدیلیوں کو ریکارڈ کرتا ہے۔ اس طرح یہ پیمانہ صارف تک پہنچنے سے پہلے ہی مہنگائی کے ابتدائی اعشاریے کے طور پر کام کرتا ہے۔

افراطِ زر (مہنگائی) کے درجے:

افراطِ زر کی شرح "معتدل یا سست رو" سے شروع ہوتی ہے، جو سالانہ 1 سے 3 فیصد تک ہوتی ہے اور اسے معاشی ترقی کے لئے ایک خوش آئند محرک سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد "تیز رفتار افراطِ زر" آتی ہے، جس میں یہ شرح دو ہندسوں تک پہنچ جاتی ہے اور معاشی استحکام کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اور اس سے بھی آگے "بے قابو افراطِ زر (Hyperinflation)" ہوتی ہے، جس میں مہنگائی کی شرح ماہانہ 50 فیصد سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس مرحلے پر کرنسی کی قدر انتہائی تیزی سے گرتی ہے اور بالآخر کرنسی تبادلہ کی حیثیت سے اپنا کردار کھو دیتی ہے۔

سوئم: جیوپولیٹکس اور کرنسی۔ امریکی ڈالر: افراطِ زر کو دوبارہ پھیلانے اور دوسرے ممالک تک منتقل کرنے کا ایک ذریعہ

عالمی سطح پر غالب مانیٹری سسٹم کو سمجھے بغیر موجودہ دور کے افراطِ زر کو سمجھنا ممکن نہیں، اور اس عالمی نظام میں امریکی ڈالر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ عالمی تجارت، خصوصاً تیل اور اہم بنیادی اشیاء کی تجارت میں بنیادی ذخیرۂ زر اور ادائیگی کی کرنسی کے طور پر امریکی ڈالر ہی استعمال ہوتا ہے۔

"ڈالر چھاپنے" اور اسے دنیا تک برآمد کرنے کا مسئلہ:

جب امریکی فیڈرل ریزرو (Federal Reserve) بڑی مقدار میں ڈالر جاری کرتا ہے، خواہ یہ مقداری آسانی (Quantitative Easing) کے پروگراموں کے ذریعے ہو یا بحران کے دوران معاشی امدادی پیکیجز کے ذریعے، تو دنیا میں گردش کرنے والی رقم کی مقدار حقیقی پیداوار میں اضافے کی رفتار سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ چونکہ دنیا بھر کی ریاستوں کو باہمی تجارت کرنے اور اپنے زرمبادلہ کے ذخائر بنانے کے لئے ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے ڈالر کی قوتِ خرید میں کمی کا اثر عالمی منڈی میں ڈالر میں قیمت رکھنے والی بنیادی اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی صورت میں براہِ راست ظاہر ہوتا ہے۔ معاشیات میں اس عمل کو "افراطِ زر کو دوسرے ممالک تک منتقل کرنا" (Exporting Inflation) کہا جاتا ہے، یعنی امریکہ کی توسیعی مالیاتی پالیسیوں کی قیمت دنیا کے دوسرے ممالک کی عوام کو مہنگی اشیاء اور کمزور قوتِ خرید کی صورت میں برداشت کرنا پڑتی ہے۔

سرمایہ دارانہ ریاستوں کا اثر و رسوخ اور درآمدی افراطِ زر: موجودہ عالمی منڈیوں کی صورتِ حال

سرمایہ دارانہ ریاستیں اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے "شرحِ سود اور کرنسی کے عدم توازن" کے طریقہ کار کے ذریعے دوسرے ممالک میں افراطِ زر کی سطح کو کنٹرول کرتے ہیں۔ یہ بات آج کی عالمی منڈیوں کی صورتِ حال میں واضح طور پر نظر آتی ہے، جہاں سٹے باز ڈالر کی مضبوطی یا کمزوری پر بہت بڑی رقوم داؤ پر لگاتے ہیں، جو حال ہی میں 34 ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہو چکی ہیں۔ ان کے یہ اندازے اس بات سے وابستہ ہوتے ہیں کہ امریکی فیڈرل ریزرو (Federal Reserve) ملکی افراطِ زر پر قابو پانے کے لئے اپنی داخلی پالیسی کو کس حد تک منظم کرتا ہے۔

ڈالر کی یہ غیر معمولی مضبوطی دوسرے ممالک کی کرنسیوں میں شدید اتار چڑھاؤ کا باعث بنتی ہے؛ مثال کے طور پر، شرحِ سود میں فرق کی وجہ سے جاپانی ین چالیس سال کی کم ترین سطح پر پہنچ گیا۔ امریکہ کے تجارتی پارٹنر ممالک کی کرنسیوں میں اس طرح کی شدید گراوٹ ان ممالک میں فوراً "درآمدی افراطِ زر" (imported inflation) کا باعث بنتی ہے، کیونکہ درآمدی اشیاء کو ڈالر میں خریدنے کی لاگت ان ممالک کی مقامی معیشتوں کے لئے انتہائی بوجھ بن جاتی ہے۔

کیا تیل پیدا کرنے والے ممالک افراطِ زر (مہنگائی) سے محفوظ ہیں؟

تو اس کا جواب 'نہیں' میں ہے۔ اگرچہ تیل کی بلند قیمتوں کی وجہ سے تیل پیدا کرنے والے ممالک کو اچھی اضافی آمدنی حاصل ہوتی ہے، لیکن پھر بھی وہ دو طریقوں سے افراطِ زر کا شکار ہو سکتے ہیں:

درآمدی افراطِ زر: چونکہ تیل پیدا کرنے والے ممالک خوراک، ٹیکنالوجی سے متعلق مصنوعات اور سروسز کے لئے سرمایہ دار ممالک سے درآمدات پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ اس لیے جب یہ اشیاء ان تیل پیدا کرنے والے ممالک کی مارکیٹوں میں پہنچتی ہیں تو یہ اپنے ساتھ پہلے سے پیدا شدہ افراطِ زر بھی لئے ہوتی ہیں۔

ہالینڈ کا مرض (Dutch Disease): تیل کے شعبے سے ملک میں بڑی مقدار میں رقم آنے کی وجہ سے مقامی طلب میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے، خاص طور پر رئیل اسٹیٹ اور سروسز جیسے شعبوں میں، اور اس کے نتیجے میں ملک کے اندر قیمتیں تیزی سے بڑھنے لگتی ہیں۔

چہارم: نکسن شاک — سونے کو کرنسی سے غیر منسلک کیا جانا

عصرِ حاضر کی تاریخ میں مانیٹری پالیسیوں میں سب سے نمایاں تبدیلی 1971ء میں واقع ہوئی، جب امریکی صدر رچرڈ نکسن نے ڈالر کو سونے سے منسلک ہونے کا نظام معطل کرنے کا اعلان کیا۔ یہ نظام 1944ء کے بریٹن ووڈز معاہدے کے تحت قائم کیا گیا تھا، جس کے مطابق ایک اونس سونے کی قیمت 35 ڈالر مقرر تھی۔ تاریخ میں اس واقعے کو نکسن شاک (Nixon Shock) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

سونے اور کرنسی کے درمیان یہ تعلق کیوں ختم کیا گیا؟

امریکہ نے ویتنام جنگ اور اپنے اندرونی ترقیاتی منصوبوں کی مالی اعانت کے لئے بڑی مقدار میں ڈالر جاری کئے تھے، جس کے نتیجے میں دنیا بھر میں گردش کرنے والے ڈالر کی مقدار امریکہ کے خزانے میں موجود سونے کے ذخائر سے کہیں زیادہ ہو گئی۔ جب فرانس جیسے ممالک نے اپنے پاس موجود ڈالر کو حقیقی سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا تو امریکہ کو اپنے سونے کے ذخائر ختم ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ چنانچہ امریکہ نے یک طرفہ طور پر ڈالر اور سونے کے درمیان قائم تعلق کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

افراطِ زر پر اثرات: جب دنیا کاغذی کرنسی (Fiat Money) کے نظام کی طرف منتقل ہوئی، یعنی ایسی کرنسیاں جو اپنی قدر کسی حقیقی اثاثے کے بجائے سیاسی فیصلوں اور حکومتوں پر عوامی اعتماد کے کمزور رشتے سے طے کرتی ہیں، تو مرکزی بینکوں پر عائد تمام پابندیاں ختم ہو گئیں۔ نتیجتاً، ریاستوں کو کسی مادی یا حقیقی ذخائر کی موجودگی کے بغیر کرنسی چھاپنے کی کھلی چھوٹ مل گئی، جس سے افراطِ زر جدید عالمی معیشت کا ایک مستقل اور بنیادی خاصہ بن گیا، جبکہ سونے کے معیار (Gold Standard) کے دور میں افراطِ زر ایک مسئلہ اور غیر معمولی کیفیت سمجھا جاتا تھا، جو اپنے اسباب ختم ہونے کے ساتھ دوبارہ ختم ہو جاتا تھا۔

پنجم: انسان کے بنائے گئے اقتصادی نظریات اور اسلامی معیشت میں موجود اصلاحی طریقۂ کار

انسان کا وضع کردہ اصلاح کا طریقہ: اختصار پر مبنی مانیٹری پالیسی اور اس کی حدود:

جب افراطِ زر پھیلنے لگتا ہے تو تمام مرکزی بینک اختصار پر مبنی مانیٹری پالیسی (Contractionary Monetary Policy) اختیار کر لیتے ہیں، جس کا مقصد "مارکیٹ میں موجود اضافی رقوم کو کم کرنا" اور معاشی سرگرمیوں کی رفتار کو سست کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے وہ مختلف اقدامات کرتے ہیں، جن میں درج ذیل شامل ہیں:

شرحِ سود میں اضافہ: بچت کی حوصلہ افزائی کے لئے اور کھپت و سرمایہ کاری کے مقاصد کے لئے قرض لینے کے رجحان کو کم کرنے کے لئے شرح سود میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، جس سے مجموعی طلب کم ہو جاتی ہے اور قیمتوں میں اضافے کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔

ریزرو (Reserve) کی لازمی شرح میں اضافہ: اس کا مقصد کمرشل بینکوں کی جانب سے قرضے فراہم کرنے کی صلاحیت کو محدود کرنا ہوتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے علاج کا مسئلہ: جیسا کہ موجودہ عالمی مارکیٹ کی رپورٹس سے ظاہر ہوتا ہے، یہ اختصار پر مبنی پالیسی ایک انتہائی نازک صورتحال میں رہتی ہے۔ جیسے ہی کوئی مرکزی بینک شرحِ سود میں ضرورت سے زیادہ اضافہ کرتا ہے، روزگار کی شرح اور لیبر مارکیٹ کی سرگرمیاں سست پڑنے لگتی ہیں، جیسا کہ حالیہ امریکی روزگار کے اعداد و شمار میں دیکھا گیا اور اس صورتحال سے شدید معاشی کسادِ بازاری کے خدشات پیدا ہوتے ہیں۔ اس مرحلے پر مارکیٹیں "زیادہ سہولت پر مبنی پالیسی" کا مطالبہ کرتی ہیں، یعنی شرحِ سود کو کم کیا جائے یا اسے مزید بڑھنے سے روک دیا جائے اور اس کے نتیجے میں افراطِ زر دوبارہ تیز ہو جاتا ہے۔ یہ اتار چڑھاؤ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسان کے وضع کردہ مانیٹری طریقے بنیادی اور اصل مرض کا علاج کرنے کے بجائے صرف اس کی علامات کا علاج کرتے ہیں۔

اسلامی معاشی نظام میں افراطِ زر کا علاج اور اس کی روک تھام: اسلامی معیشت میں ایسا احتیاطی اور اصلاحی قانونی نظام موجود ہے جو ان بنیادی نقائص کو پیدا ہونے سے ہی روک دیتا ہے جو افراطِ زر کا باعث بنتے ہیں۔ اسلام کا یہ اقتصادی نظام جامع عدل کے اصولوں اور حقیقی معیشت کو فعال بنانے کی بنیاد پر قائم ہے:

حقیقی اور اصلی قدر رکھنے والے اثاثوں پر مبنی مانیٹری نظام: اسلام میں بنیادی اصول یہ ہے کہ کرنسی کو دو حقیقی اثاثوں، یعنی سونے اور چاندی سے منسلک رکھا جائے، جن کی بنیاد پر دینار اور درہم مقرر ہوتے ہیں۔

ربا (سود) کی ممانعت اور قرض کو سٹے بازی سے الگ کرنا: قرض کے بدلے قرض کی خرید و فروخت اور سٹے بازی پر مبنی تجارت کی ممانعت اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ہر مانیٹری لین دین کے مقابل حقیقی اشیاء یا خدمات کا تبادلہ موجود ہو۔ اس طرح قیمتوں میں مصنوعی بلبلے (price bubbles) پیدا ہونے سے روکے جا سکتے ہیں۔

اجارہ داری کا خاتمہ ــــ رسد میں توازن: اسلام ہر قسم کی اجارہ داری کو ممنوع قرار دیتا ہے تا کہ اشیاء کی فطری رسد برقرار رہے اور تاجر مصنوعی طور پر قیمتیں بڑھا کر "لاگت میں اضافے سے پیدا ہونے والے افراطِ زر" کو جنم نہ دے سکیں۔

مال جمع کر کے رکھنے کی ممانعت اور زکوٰۃ کا نفاذ: مال کو جمع کر کے روک رکھنے کی ممانعت اور اثاثوں پر زکوٰۃ (2.5 فیصد) کی پابندی مال و دولت رکھنے والوں کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے مال کو حقیقی سرمایہ کاری اور پیداواری شعبوں، یعنی صنعت، زراعت اور تجارت میں لگائیں۔ اس کا مقصد مال و دولت کو دیمک کی طرح کھا جانے سے روکنا ہے، جس کے نتیجے میں اشیاء اور خدمات کی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اور یوں قیمتیں خود بخود کم ہونے لگتی ہیں۔

بیت المال کے فنڈز کی منصفانہ تقسیم اور غربت کا خاتمہ: یہاں اسلامی اقتصادی نظام کی بنیادی خوبی اس بات سے نمایاں ہوتی ہے کہ ریاستی خزانے یعنی بیت المال کے عوامی مال کو کس قدر اعلیٰ طریقے سے منظم اور تقسیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام غربت کے مسئلے کو حل کرنے میں ناکام ہے، کیونکہ وہ "اوپر سے نیچے کی طرف معاشی فوائد" (Trickle-down Economics) کے طریقۂ کار پر انحصار کرتا ہے، جس کے نتیجے میں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے اور افراطِ زر اور غربت میں بے تحاشا اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس، اسلام دولت کی تقسیم کے لئے ایک لازمی اور واضح نظام مقرر کرتا ہے، جس کی وضاحت قرآنِ کریم کی آیت میں صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے، ﴿**إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ**﴾ **"یقیناً، صدقات فقراء کے لئے ہیں اور مساکین اور کارکنان (جو زکوٰۃ پر مامور ہیں) اس پر اور جن کے دلوں کو جیتنا مطلوب ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے کو اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے کو) اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے۔ یہ اللہ کی طرف سے ضابطہ ہے اور اللہ سب جاننے والا حکمت والا ہے"** [سورۃ التوبۃ؛ 9:60]۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ فرمان، ﴿**مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ**﴾ "بستی والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے، وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تا کہ تمہارے مال داروں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے" [سورۃ الحشر؛ 59:7]۔

ان آٹھ مقررہ مستحقین میں مال کی یہ مخصوص تقسیم اس بات کو روکتی ہے کہ دولت صرف چند مالدار لوگوں تک محدود ہو کر رہ جائے۔ اس طرح اسلام کا نظام مختلف معاشی پہلوؤں سے غربت اور افراطِ زر کے مسئلے سے نمٹنے میں کردار ادا کرتا ہے:

رقم کی دوبارہ گردش اور مالی گردش کو متحرک کرنا: جب دولت مند لوگوں کے پاس بڑی مقدار میں رقم جمع ہو کر مالی جمود پیدا کرتی ہے تو افراطِ زر اور غربت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ اور ریاستی خزانے کے مال کو غریب اور ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کرنے سے سرمایہ اسے جمع کر کے روکے رکھنے والے طبقے سے ایسے طبقے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے فوراً خرچ کرتا ہے۔ رقم کی یہ تیز رفتار گردش منڈیوں کو متحرک رکھتی ہے اور حقیقی طلب کو دوبارہ پیدا کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں کارخانے اور زرعی شعبہ اس طلب کو پورا کرنے کے لئے اپنی پیداوار بڑھاتے ہیں، اور پیداوار میں اضافہ افراطِ زر کے خاتمے کا حقیقی علاج ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**مَّا أَفَاء اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاء مِنكُم**﴾ "بستی والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے، وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے تاکہ تمہارے مال داروں کے ہاتھ میں ہی یہ مال گردش کرتا نہ رہ جائے" [سورۃ الحشر؛59:7]۔

خود کفالت، صرف گزارے کے لیے نہیں؛ غریبوں کو پیداواری افراد میں تبدیل کرنا: شرعی فقہِ تقسیم میں کسی غریب شخص کو محض اتنی رقم نہیں دی جاتی جس سے وہ ایک ہی دن کا گزارہ کر سکے، بلکہ اسے مکمل خود کفالت حاصل کرنے کے لئے خاطر خواہ وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی ہنر یا پیشے میں ماہر ہو تو اسے بیت المال سے آلات اور ضروری سامان خریدنے کے لئے فنڈ دیا جاتا ہے؛ اگر وہ کسان ہو تو اسے زمین اور بیج فراہم کیے جاتے ہیں؛ اور اگر وہ تاجر ہو تو اسے کاروبار شروع کرنے کے لئے سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے۔ اس طریقۂ کار سے بے روزگار صارفین کو پیداواری افراد میں تبدیل کر کے غربت کی جڑ کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس سے اشیاء کی رسد میں اضافہ ہوتا ہے اور نتیجتاً قیمتوں کی سطح بتدریج کم ہونے لگتی ہے۔

قرض داروں کے قرضے ختم کرنا—مالی تباہی سے بچاؤ: اسلام نے قرض داروں (الغارمین) یعنی ایسے لوگوں کے لئے جو اپنے قرضے ادا کرنے سے قاصر ہوں، زکوٰۃ میں ایک مکمل حصہ مقرر کیا ہے۔ بیت المال کے ذریعے ان کے قرضے ادا کرنے سے انہیں مالی تباہی سے بچایا جاتا ہے اور دوبارہ سے انہیں معاشی سرگرمیوں میں شامل ہونے کا موقع ملتا ہے۔ مزید یہ کہ اس سے قرض دینے والے، یعنی

کاروباری مالکان بھی اپنا سرمایہ ضائع ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس طرح کاروبار کا تسلسل برقرار رہتا ہے اور اشیاء کی رسد میں استحکام قائم رہتا ہے۔

معاشرے کے لئے تحفظ اور معاشی سلامتی کا نظام--(ابن السبیل، الرقاب اور فی سبیل اللہ): ایسے مسافر کی مدد کرنا جو سفر کے دوران وسائل سے محروم ہو گیا ہو (ابن السبیل)، غلاموں کو آزادی دلانا (فی الرقاب) اور ریاست کی سرحدوں اور اس کے بنیادی ڈھانچے کا تحفظ کرنا (فی سبیل اللہ)، یہ سب اقدامات مل کر معاشرے میں امن، سلامتی اور استحکام پیدا کرتے ہیں۔ اور جب معاشرے میں استحکام اور امن ہو تو لوگ حقیقی کاروبار اور سرمایہ کاری میں زیادہ اعتماد کے ساتھ سرمایہ لگاتے ہیں اور سرمایہ معاشی سرگرمیوں میں گردش کرتا رہتا ہے۔ یوں منڈی کے اچانک اتار چڑھاؤ اور سٹے بازی سے پیدا ہونے والے مالی بلبلوں سے معیشت محفوظ رہتی ہے، جو افراطِ زر کا سبب بنتے ہیں۔

حاصل کلام: موجودہ دنیا میں افراطِ زر اور غربت محض اتفاقی مسائل نہیں ہیں، بلکہ یہ اس عالمی مانیٹری نظام کا فطری نتیجہ ہیں جو کاغذی کرنسی، مال و دولت جمع کر کے رکھنے اور قرضوں میں مسلسل اضافے پر قائم ہے۔ اس نظام کا اسلامی متبادل سے تقابلی جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ حقیقی اثاثوں سے منسلک عناصر والی کرنسی کی طرف واپسی، اور اس کے ساتھ ریاستی خزانے کے مال کو شہریوں میں منصفانہ طور پر تقسیم کرنا، ایک جامع معاشی نظام تشکیل دیتا ہے۔ یہ متبادل صرف قیمتوں میں اچانک اضافے کو ایسے سخت گیر طریقوں سے روکنے کی کوشش نہیں کرتا جو غریب طبقے اور لیبر مارکیٹ کو نقصان پہنچاتے ہوں، جیسے سرمایہ دارانہ نظام میں شرحِ سود میں اضافہ، جس سے معاشی کسادِ بازاری کا خطرہ پیدا ہوتا ہے؛ بلکہ یہ اس بنیادی خرابی کا اصل علاج کرتا ہے اور غیر فعال انسانی محنت کو پیداواری قوت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں رقم کی رسد اور اشیاء و خدمات کی مقدار کے درمیان حقیقی اور پائیدار توازن قائم ہوتا ہے، جس سے معاشرے اپنی دولت اور لوگوں کی محنت کی قدر میں کمی سے محفوظ رہتے ہیں۔

فہرست

سوال وجواب: قرآن کی تفسیر کے مصادر اور ماخذ!

شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

سوال:

شروع اللہ کے نام سے، اور اللہ کے رسول ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اور ان تمام لوگوں پر سلام اور رحمت وبرکتیں نازل ہوں جو آپ ﷺ کی پیروی پر استقامت سے قائم ہیں۔

ہمارے جلیل القدر شیخ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور امتِ مسلمہ کے لئے آپ جو بھی خیر اور بھلائی کا کام کر رہے ہیں، اس میں آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ کی یہ جدوجہد اللہ کے وعدے کے پورا ہونے اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت کے مطابق فتح اور اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔

ہمارے محترم شیخ! کتاب "الشخصية الاسلامية" (جلد اول) کے صفحہ 296 پر "تفسیر کے ماخذ" کے عنوان کے تحت درج ذیل عبارت بیان ہوئی ہے:

أما ما نقل من تفسير عن الرسول ﷺ فإنه إن صح يعتبر جزءا من الحديث، ولا يعتبر تفسيرا، إذ يكون حينئذ نصا تشريعيا كالقرآن فلا يدخل في عداد التفسير.

"جہاں تک رسول اللہ ﷺ سے منقول تفسیر کا تعلق ہے، تو اگر وہ صحیح ثابت ہو تو اسے حدیث کا حصہ سمجھا جائے گا، تفسیر نہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ قرآن کی طرح ایک شرعی نص ہوگی، اس لئے اسے تفسیر کے شمار میں شامل نہیں کیا جائے گا"۔

کتاب کے صفحہ 296 پر جو بات لکھی گئی ہے، اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ حدیث کو تفسیر کے ماخذ میں سے ایک ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن صفحہ 301 پر جو بات بیان کی گئی ہے، وہ حدیث کو تفسیر کا حصہ ماننے کی نفی کرتی ہے... اس لئے بظاہر دونوں باتیں ایک دوسرے سے متناقض اور متضاد محسوس ہوتی ہیں، اور اسی وجہ سے میرے لئے اس مسئلے کو سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔ لہٰذا براہِ کرم اس ابہام کو دور فرمائیں اور اس معاملے میں حقیقت کی وضاحت کر دیں کہ: کیا حدیث کو تفسیر شمار کیا جاتا ہے، یا حدیث کو تفسیر کے شمار میں شامل نہیں کیا جاتا؟

اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

آپ کا بھائی،

علی السعیدي – تیونس

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے بھائی! کتاب "الشخصیۃ الإسلامیۃ" کی جلد اول کے صفحہ 360 پر "تفسیر کے مآخذ" کے عنوان کے تحت جو کچھ بیان ہوا ہے، اور اسی کتاب کے صفحہ 366 پر "آج کے دور میں امت کو مفسرین کی ضرورت" کے عنوان کے تحت جو کچھ بیان ہوا ہے، ان دونوں مقامات کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے مابین کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے، اور اس کی وضاحت کے لئے میں درج ذیل نکات بیان کرتا ہوں:

اول: "تفسیر کے مآخذ" کے تحت یہ بیان کیا گیا:

"تفسیر کے مصادر" کی اصطلاح یعنی مآخذِ تفسیر کا مطلب یہ نہیں کہ کسی مفسر نے قرآنِ کریم کی تفسیر کے دوران کسی ذاتی زاویے اور انداز کو اپنایا ہے، مثلاً توحید، فقہ، بلاغت، تاریخ وغیرہ۔ کیونکہ یہ چیز تفسیر کا ماخذ نہیں کہلاتی، بلکہ یہ تو وہ امور ہوتے ہیں جن کا اثر مفسر پر ظاہر ہوتا ہے، تو وہ اپنی تفسیر میں اسی زاویے پر رہتا ہے۔ تفسیر کے مآخذ کا اصل مطلب یہ ہے کہ ایسے حوالہ جات جہاں سے مفسرین اپنی تفسیر کو لیتے ہیں، اور پھر وہاں سے منقولہ باتوں کو اپنی تفسیر میں شامل کرتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ انہوں نے کس طرزِ فکر یا کس زاویے اور انداز کو اپنایا ہے۔ اگر ہم مصادر التفسیر پر غور کریں دیکھتے ہیں کہ بنیادی طور پر تین ہی ماخذ ہیں:

- وہ تفسیر جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ مثلاً یہ روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«الصَّلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ» "درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے"**۔ (ترمذی)...
- تفسیر کا دوسرا ماخذ رائے ہے، جسے تفسیر میں اجتہاد کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مفسر عربی زبان اور اس کے اندازِ بیان کو جانتا ہے، عربی الفاظ اور ان کے معنوں کو سمجھتا ہے، اور عربی الفاظ اور قبل اسلام کے اشعار (دور جاہلیت کے مشہور شعراء کے اشعار)، نثر (ایسا کلام جو شعر نہ ہو، یعنی عمومی کلام) اور دیگر لغت وغیرہ میں جانچتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی سمجھ کے مطابق آیات کے درست اسبابِ نزول (آیات کے نازل ہونے کے اسباب) کو بھی جانتا ہے...

- تیسرے نمبر پر اسرائیلیات (بنی اسرائیل سے منسوب قصے کہانیوں) کا معاملہ ہے۔ دراصل اسلام میں کچھ یہودی اور عیسائی داخل ہوئے۔ ان میں سے بعض تورات وانجیل کے عالم تھے۔ ان یہودیوں میں سے اکثر ایسے لوگ اسلام میں آئے جو دل سے سچے نہ تھے، کیونکہ یہودیوں کے دلوں میں عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے زیادہ بغض وعداوت تھی۔ چنانچہ پھر ان عالموں کے ذریعے مسلمانوں میں بہت سی اسرائیلی روایات در آئیں، جو تفسیر قرآن میں اس لئے داخل ہوئیں تاکہ آیات کی تشریح مکمل کی جاسکے..."

جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا کہ یہاں بحث مفسرین کے نزدیک تفسیر کے ماخذ کے بارے میں ہے، اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا، وہ تین ماخذ ہیں۔

دوم: جہاں تک کتاب "الشخصية الاسلامية" جلد اول کے صفحہ 366 پر "آج کے دور میں امت کو مفسرین کی ضرورت" کے عنوان کے تحت بیان کردہ بات کا تعلق ہے، تو اس میں مفسرین کے ہاں ان ماخذ کی درست اور غلط صورتوں کے اعتبار سے حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ پہلا ماخذ، جسے وہ "رسول اللہ ﷺ سے منقول تفسیر" کہتے ہیں، حقیقت میں اسے تفسیر کہنا درست نہیں، بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں؛ کیونکہ تفسیر دراصل مفسر کا اجتہاد (شرعی استنباط) ہوتی ہے۔ جہاں تک رسول اللہ ﷺ سے منقول روایت کا تعلق ہے، تو وہ نہ تفسیر ہے اور نہ اجتہاد، بلکہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے وحی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے... یہ بات اس باب کے آغاز ہی میں واضح کر دی گئی ہے، جہاں بیان کیا گیا ہے کہ:

"اس لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا انداز ہو جو مسلمانوں کو، بلکہ غیر مسلموں کو بھی، تفسیر کو اس انداز سے پڑھنے میں رغبت اور شوق دلائے کہ یہ گہری اور روشن فکر کی کتاب ہے۔ علاوہ ازیں فلسفے کی کتابوں کے ترجمے ہونے اور ان سے متاثر ہونے کے بعد والے زمانے میں، اور اسی طرح صلیبی جنگوں کے بعد مسلمانوں کے زوال کے دور میں، مفسرین جن راستوں پر چلے ہیں، اس کے نتیجے میں ایسی تفاسیر وجود میں آئیں جن میں اسرائیلیات کے انبار کے ساتھ ساتھ تفسیر سے تعلق نہ رکھنے والی اور قرآن کی آیات سے کوئی لگاؤ نہ رکھنے والی بحثوں کی طرف بہت زیادہ توجہ دی گئی۔ یہاں تک کہ یہ چیزیں مفسرین کے نزدیک تفسیر کا تیسرا ماخذ بن گئیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ قرآن کی ایسی تفسیر ہو جو صحابہ کرامؓ کی تفسیر کے طریقے پر مرتب کی جائے، یعنی قرآن کو سمجھنے میں اجتہاد کیا جائے اور صحابہؓ سے منقول تفسیر سے مدد لی جائے۔ تاہم وہ تفسیر جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو تو اس کا شمار حدیث میں ہوگا، تفسیر میں نہیں۔ کیونکہ اس وقت وہ قرآن کی طرح ایک تشریعی نص ہوگی، اس لئے وہ تفسیر کے زمرے میں داخل نہیں کہلائے گی"۔

اس باب کے تحت جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس کا مقصد تفسیر کے بارے میں درست موقف کو واضح کرنا ہے، اور یہ وہی موقف ہے جس پر صحابہ کرامؓ قرآن کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے درست اجتہاد کے اعتبار سے قائم تھے۔ جہاں تک رسول اللہ ﷺ سے منقول روایات کا تعلق ہے، تو انہیں احادیث کے باب میں بیان کیا گیا ہے، نہ کہ اجتہاد کے باب میں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث، جو وحی کے ذریعے ہوتی ہے، اور صحابہ کرامؓ کا اجتہاد، جو اجتہاد کے دائرے سے تعلق رکھتا ہے، دونوں کے درمیان فرق ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ وضاحت کافی ہو گی، اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے اور نہایت حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

04 ربیع الثانی 1448 ہجری

بمطابق 16 ستمبر، 2026 عیسوی

#أمير_حزب_التحرير

#Amir_of_Hizb_ut-Tahrir

فہرست

سوال وجواب: یمن میں عسکری پیش رفت کے پہلو!

شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

سوال:

"جمعہ کے روز سعودی دارالحکومت ریاض میں مشترکہ مکہ دفاعی معاہدہ کے فریم ورک کے تحت سعودی عرب، ترکی اور پاکستان کی مسلح افواج کے چیف آف سٹاف کا اجلاس منعقد ہوا تاکہ سعودی مملکت کو درپیش سکیورٹی صورتحال اور خطرات پر غور کیا جا سکے.." [الجزیرہ، 26 ستمبر 2026ء]۔ ان ممالک کا یہ مشترکہ اتحاد اور ایسا اجلاس اس وقت تک خاموش تماشائی بنا رہا تھا جب تک حوثیوں نے یمن کے پورے یا زیادہ تر مغربی ساحل پر اپنا کنٹرول قائم نہیں کر لیا، اور سعودی عرب نے یا حتیٰ کہ امریکہ نے بھی اس میں کوئی مداخلت کی۔ بلکہ ٹرمپ نے تو یہاں تک بیان دے دیا کہ حوثیوں نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ بحیرۂ احمر میں امریکی جہازوں پر حملہ نہیں کریں گے، اس لئے امریکہ اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا! اور پھر ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ کچھ دنوں سے حوثی مغربی ساحل پر بڑی آسانی سے پیش قدمی کر رہے ہیں۔ 11 ستمبر، 2026ء کو یہ اعلان کیا گیا کہ حوثیوں کی جانب سے ایک جارحانہ حملہ جو کہ صرف چند دن تک ہی رہا تھا، اس حملہ کے بعد حوثی گروہ نے باب المندب پر اپنا مکمل کنٹرول حاصل کر لیا ہے، اور پھر یہ گروہ حیس، الخوخہ، المخا اور اس کی بندرگاہ سے لے کر باب المندب اور جزیرہِ میون تک کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ آخر یہ سب اتنی آسانی سے کیسے ممکن ہو گیا؟ اور سعودی عرب اور اس کے سہ فریقی اتحاد نے مداخلت کیوں نہیں کی؟ اور امریکہ نے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایران کے حلیفوں کے بھی خلاف ہے جبکہ حوثی ایران کا ایک اہم بازو ہیں، تو پھر امریکہ نے مداخلت کیوں نہیں کی؟! بلکہ امریکہ تو یہ اعلان کر رہا ہے کہ اس نے حوثی جماعت سے براہِ راست رابطہ کیا ہے، اور خود حوثی جماعت نے بھی 20 ستمبر 2026ء کو امریکہ کے ساتھ اپنے رابطے کا اعتراف کیا ہے۔ تو پھر آخر ایران سے جڑے اس گروہ کے حوالے سے امریکہ کا کیا منصوبہ ہے؟

جواب:

معاملات کی حقیقی صورتحال کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے ہم درج ذیل نکات کا جائزہ لیتے ہیں:

1- یمن میں بین الاقوامی کشمکش گزشتہ صدی کی ساٹھ کی دہائی کے آغاز سے شدید تر ہوتی چلی آ رہی ہے۔ یہ کشمکش یمن پر سابقہ استعماری قوت، برطانیہ اور نئی استعماری قوت، امریکہ کے درمیان جاری ہے۔ اور ان میں سے ہر استعماری قوت کے پاس اپنے اپنے علاقائی اور مقامی ایجنٹ موجود ہیں۔ یمن پر برطانیہ کا اثر و رسوخ اس کے ایجنٹوں کے ذریعے قائم رہا، جن میں سب سے نمایاں ایجنٹ، علی صالح تھا جو 1978ء سے 2011ء تک اقتدار میں رہا... اور اس کے بعد منصور ہادی آ گیا۔ اس کے بعد امریکہ نے اپنے ایجنٹ، سعودی عرب کو یمن میں مداخلت کا اشارہ دیا، چنانچہ 2015ء میں "فیصلہ کن طوفانی آپریشن Operation Decisive Storm" اور

سعودی قیادت میں نام نہاد "شرعی حکومت کی حمایت کا اتحاد "Coalition to Support Legitimacy – کا اعلان کیا گیا، مگر حقیقت میں یہ آپریشن حوثی گروہ کی پشت پناہی کے لئے تھے۔ جیسا کہ ہم نے 26 مارچ، 2015ء کے اپنے بیان میں ذکر کیا تھا کہ، "امریکہ نے ایران کے ذریعے حوثیوں کو مختلف قسم کا اسلحہ اور جنگی سامان فراہم کیا تاکہ وہ طاقت کے زور پر یمن پر مسلط ہو سکیں، کیونکہ امریکہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یمن کا سیاسی طبقہ برطانوی نواز ہے اور غالباً انگریزوں کی ہی شاطرانہ تربیت کا نتیجہ ہے۔ اس طرح حوثیوں نے یہ گمان کر لیا کہ ان کے پاس ایسی طاقت موجود ہے جو انہیں یمن پر مکمل تسلط دلا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے صدر "ہادی" کو اپنے گھیرے میں کر لیا تاکہ اس سے اپنی مرضی کے مطابق رعایتیں جاری کروا سکیں۔ شروع میں تو وہ رضامندی ظاہر کرتا رہا مگر بعد میں عملدرآمد میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہا، یہاں تک کہ حوثیوں نے اس پر گھر میں نظر بندی عائد کر دی، مگر وہ ان کے چنگل سے نکل کر عدن بھاگ گیا، حوثی وہاں بھی اس کے پیچھے پہنچے لیکن وہ دوبارہ ان کی گرفت سے نکل بھاگا.."۔

2- پھر اس کے بعد یوں ہوا کہ برطانیہ کی ایجنٹ ریاست، متحدہ عرب امارات (UAE) یمن کو بچانے کے بہانے سعودی عرب کے تشکیل کردہ مذکورہ اتحاد میں شامل ہو گئی اور اس نے جنوبی یمن کے متعدد علاقوں کو حوثیوں کے قبضے سے چھڑا کر وہاں برطانیہ اور اس کے مقامی ایجنٹوں کے اثر و رسوخ کو مضبوط کیا۔ اماراتی فورسز ایک اہم بندرگاہ "الحدیدہ" تک پہنچ گئیں جو کہ حوثیوں کے لئے نہایت اہمیت کی حامل تھی، اور انہوں نے اس بندرگاہ پر تقریباً کنٹرول حاصل کر لیا، اور ان کا مقصد اس کے بعد صنعاء کی طرف پیش قدمی کرنا تھا۔ لیکن امریکہ نے انسانی ہمدردی پر تشویش کے بہانے تراش کر امارات (UAE) کے خلاف عالمی رائے عامہ کو بھڑکایا اور سویڈن کا اجلاس منعقد کروایا۔ اس اجلاس کے نتیجے میں الحدیدہ شہر میں جنگ بندی اور اماراتی افواج اور طارق صالح کی قیادت میں ملیشیاؤں کا انخلاء طے پایا، یوں اس شہر کا سیکورٹی کنٹرول حوثیوں کے پاس ہی برقرار رہا۔ جیسا کہ ہم نے 20 دسمبر، 2018ء کو شائع ہونے والے ایک سوال کے جواب میں ذکر کیا تھا کہ، "برطانیہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ ایرانی مدد ہی ہے جو حوثیوں کے لئے بقا کا سہارا ہے، اور صنعاء ایئرپورٹ کی بندش اور جنوب کی بندرگاہوں پر کنٹرول کے بعد ایران کے لئے الحدیدہ کی بندرگاہ ہی وہ واحد اہم ذریعہ رہ گئی جس کے راستے وہ حوثیوں تک اپنی مدد پہنچا سکے۔ چنانچہ اسی لئے امارات (UAE) نے الحدیدہ پر قبضے کا رخ کیا، لیکن الحدیدہ کے گرد پیش قدمی کی راہ میں امارات کو شدید امریکی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، جو امریکہ نے انسانی ہمدردی کا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کی کہ الحدیدہ بندرگاہ لاکھوں یمنیوں تک امداد پہنچانے کا ذریعہ ہے اور جنگ کی صورت میں یمنی عوام کو امداد کی ترسیل منقطع ہو سکتی ہے۔ گویا امریکہ کو انسانیت کی کوئی پرواہ ہو اور اس کے نزدیک انسانیت کا کوئی احترام موجود ہو حالانکہ اسی امریکہ نے ہی اپنے ایجنٹوں کے ساتھ مل کر اور اقوامِ متحدہ کی نظروں کے عین سامنے بدترین محاصرے کر کے اور بیرل بموں کا استعمال کر کے شام کو روند ڈالا تھا۔ تاہم حقیقت یہ تھی کہ امریکہ صرف یہ جواز پیدا کرنا چاہتا تھا تاکہ ایران کی ملٹری مدد جاری رکھنے کے لئے الحدیدہ کی بندرگاہ کھلی رہے.."۔

3- سال 2022ء میں سعودی عرب نے 07 اپریل، 2022ء کو صدر ہادی کی جگہ رشاد العلیمی کی سربراہی میں ایک یمنی صدارتی لیڈرشپ کونسل (Presidential Leadership Council) کی تشکیل کا اعلان کیا، جہاں ہادی نے اپنے تمام اختیارات اس کونسل کے سپرد کر دیئے۔ اس سے قبل 02 اپریل، 2022ء کو متحارب فریقین کے درمیان یمن میں دوماہ کی قابلِ توسیع جنگ بندی پر اتفاق ہوا تھا جو کہ اسی روز ہی نافذ العمل ہو گیا تھا۔ اقوامِ متحدہ اور امریکہ نے اس اچانک جنگ بندی کا خیر مقدم کیا اور اس میں توسیع کا مطالبہ کیا۔ باوجود اس کے کہ کونسل کے اکثر ارکان ماضی میں برطانیہ کے آدمی رہے تھے، لیکن امریکہ سعودی عرب کے ذریعے کونسل کے سربراہ العلیمی کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو گیا حالانکہ وہ انگریزوں کا وفادار رہا تھا اور سابق یمنی صدر علی عبداللہ صالح کے دور سے بڑے سیاسی عہدوں پر فائز رہا تھا، مگر سعودی عرب میں اس کی رہائش اور سعودی عرب کی جانب سے ملنے والی مالی اور سکیورٹی امداد پر اس کا شدید انحصار.. ان تمام عوامل نے سعودی عرب کو العلیمی پر ایک مضبوط اثر و رسوخ فراہم کر دیا جو حالیہ عرصے میں مزید بڑھا ہے۔ جہاں تک کونسل کے باقی ارکان کا تعلق ہے تو ان میں سے اکثر امارات (UAE) یعنی انگریزوں کے ساتھ ہم آہنگ تھے۔ ہم نے 20 اپریل، 2022ء کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ، "یہ بات قابلِ غور ہے کہ صدارتی لیڈرشپ کونسل کے تمام ارکان کو امارات کی حمایت حاصل ہے یا وہ خود صدر ہادی کے گروہ سے ہیں، اس لئے کونسل میں مؤثر حاوی رائے برطانیہ ہی کے تابع ہے"۔ چنانچہ اس طرح یہ جنگ بندی، یہ فیصلہ اور اس کونسل کی تشکیل، یہ تمام امور امریکی اور برطانوی اتفاق سے ہی طے پائے تھے، جس میں بہت سے ایجنٹ اور مدار میں گردش کرتے کارندے اس سازباز میں شامل تھے۔ اور ہر صورت میں یہ اتفاق مستقل نہیں بلکہ صرف اس وقت تک کے لئے تھا جب تک وہ حالات تبدیل نہ ہو جائیں جو اس اتفاق کا باعث بنے تھے!

4- اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ سال 2025ء کے اختتام پر صدارتی کونسل کے رکن اور امارات (UAE) کے حمایت یافتہ عیدروس الزبیدی کی قیادت میں یمن کی "ٹرانزیشنل کونسل" (Transitional Council) کی فورسز نے حضرموت اور المہرہ میں اپنے دستے تعینات کر دیئے جس سے معاملات کافی الجھ گئے۔ چنانچہ سعودی قیادت میں قائم اتحاد نے 30 دسمبر، 2025ء کو یمن میں ایک محدود عسکری کارروائی کا اعلان کیا جس میں حضرموت کی بندرگاہ "المکلا" پر امارات (UAE) سے پہنچنے والے اسلحے اور جنگی گاڑیوں کو نشانہ بنایا گیا۔ پھر یہ دھمکی جاری رہی یہاں تک کہ امارات "جھکنے" پر مجبور ہو گیا اور اس نے یمن سے اپنی افواج واپس بلانے کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران سعودی عرب نے یمن میں موجود امارات (UAE) کے ایجنٹوں (عیدروس الزبیدی کی قیادت میں ٹرانزیشنل کونسل) کو حضرموت اور المہرہ سے نکل جانے کی دھمکیاں اور وارننگ دینا جاری رکھا، جس کے نتیجے میں یمن میں موجود جنوبی ٹرانزیشنل کونسل کی فورسز نے انخلاء شروع کر دیا.. اور بعد ازاں 08 جنوری، 2026ء کو الزبیدی بھی صومالی لینڈ سے ہوتا ہوا ابوظہبی فرار ہو گیا!

5- اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ حال ہی میں مغربی ساحل پر جو کچھ ہوا، یعنی رواں ماہ ستمبر کی 3 اور 11 تاریخ کو حوثیوں کا حیس، الخوخہ، المخا اور اس کی بندر گاہ، جزیرہِ میون اور بحیرۂ احمر کے جنوب میں واقع دیگر یمنی جزائر سے لے کر باب المندب تک کنٹرول قائم ہونا، یہ سب 2018ء میں ہونے والے واقعات کے مشابہ ہے، جب الحدیدہ سے امارات (UAE) اور اس کے مقامی ایجنٹوں کو نکال دیا گیا تھا، اور 2025ء کے اواخر میں اور 2026ء کے آغاز میں ہونے والے واقعات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں جب حضر موت اور المہرہ سے امارات اور اس کے ایجنٹوں کو بے دخل کر دیا گیا تھا۔ ان واقعات کو ہم ایک جیسا اس لئے کہتے ہیں؛ کیونکہ امریکہ نے حوثی آپریشن کے ذریعے مغربی ساحل پر برطانیہ کے ایجنٹوں پر ضرب لگا کر یمن میں برطانیہ کے نفوذ کو توڑنا چاہا تھا۔ جہاں طارق صالح کی قیادت میں "نیشنل مزاحمت ریپبلک گارڈز" (National Resistance -Republican Guard) کے نام سے ایک ایسی فورس قائم تھی، جسے امارات (UAE) نے اپنے آقا برطانیہ کے حکم پر پروان چڑھایا اور اس کی نگہداشت کی، مگر اس کا انجام بحیرۂ احمر کے ساحل پر واقع المخا اور خالد ملٹری کیمپ کے زوال اور پورے ساحلی علاقے پر حوثی گروہ کے مکمل کنٹرول کی صورت میں ہوا۔ چنانچہ 10 ستمبر، 2026ء کو المخا شہر کے زوال نے اس مزاحمت فورس کے لیڈر، طارق صالح کو شدید دھچکا پہنچایا جو کہ خود بھی ایک برطانوی ایجنٹ ہے اور سابق صدر علی صالح کا بھتیجا ہے، اور جسے امارات (UAE) کی حمایت حاصل تھی۔ برطانوی ایجنٹ، عیدروس الزبیدی کے شکست کھا کر امارات فرار ہونے پر مجبور ہونے کے بعد یمن میں برطانیہ کے ایجنٹوں کے خاتمے کے لئے یہ ایک اور قدم تھا، اور اس اقدام پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سعودی عرب "یمنی جمہوری گارڈز" کے اندر اپنے ایجنٹوں کو داخل کرنے میں کامیاب رہا تھا اور انہوں نے سعودی عرب کے احکامات پر ہی مغربی ساحل کے علاقوں میں اپنی پوزیشنیں چھوڑ دیں۔ اس بات نے طارق صالح کے تحت فورس، ریپبلک گارڈز کے اندر موجود برطانیہ کے حامی دھڑے کو حواس باختہ کر دیا، جس کے نتیجے میں وہ شہر کے تمام مقامات سے اپنی افواج کو واپس بلانے پر مجبور ہو گیا۔ یہ فیصلہ اس وقت سامنے آیا اور جو کہ انٹرنیٹ پر لیک ہونے والی آڈیو ریکارڈنگز سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب طارق صالح کو ان حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا جسے اس نے "اندر سے غداری" قرار دیا (جس سے اس کی مراد یمنی جمہوری گارڈز کے اندر موجود سعودی دھڑے تھے) اور جسے اس نے "برادران کی بے وفائی" قرار دیا (جس سے مراد خود سعودی عرب تھا) جو اس کی مدد اور حوثیوں کی پیش رفت کو روکنے کے لئے آگے نہیں بڑھا تھا۔ یوں اس تمام تر صورتحال کے بعد حوثی ان علاقوں میں بلا کسی مزاحمت کے داخل ہو گئے، بالکل اسی طرح جیسے وہ اس سے قبل صنعاء میں بلا کسی مزاحمت کے داخل ہوئے تھے!

6- اور اس بات کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ سعودی عرب نے اس مشترکہ سہ فریقی اتحاد کو بھی متحرک اور فعال نہیں کیا اور نہ ہی اپنے اتحادیوں پاکستان اور ترکی سے مداخلت کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سعودی عرب سازباز کیے ہوئے ہے اور حوثیوں کے خلاف کوئی سنجیدہ اقدام نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ امریکہ، جو اس سہ فریقی اتحاد کے قیام کے پیچھے تھا، اس نے اس اتحاد کو فعال کرنے اور حوثیوں کے خلاف مداخلت کی ہدایت نہیں دی حالانکہ حوثی سعودی عرب کے اپنے علاقوں کو بھی نشانہ بنا رہے تھے!

اور ترکی و پاکستان نے محض مذمتی بیانات اور غیر سنجیدہ اعلانات پر اکتفا کیا کہ وہ مدد کے لئے تیار ہیں۔ نیز یہ کہ محمد بن سلمان نے بھی نہ تو ان کی طرف رخ کیا اور نہ ہی ان سے مدد کرنے کی کوئی اپیل کی، بلکہ اس نے اس وقت تک انتظار کیا جب تک یمن کا پورا یا زیادہ تر مغربی ساحل حوثیوں کے ہاتھ میں نہیں آ گیا، اور اس کے بعد ہی اس نے "مکہ اتحاد" کو اجلاس کی دعوت دی تا کہ حوثی حملوں کے مقابلے میں سعودی عرب کی مدد کا جائزہ لیا جا سکے۔ "جمعہ کے روز سعودی دارالحکومت ریاض میں مشترکہ دفاعی مکہ معاہدہ کے فریم ورک کے تحت سعودی عرب، ترکیہ اور پاکستان کی مسلح افواج کے چیفس آف سٹاف کا اجلاس منعقد ہوا تا کہ سعودی مملکت کو درپیش سکیورٹی صورتحال اور خطرات پر غور کیا جا سکے۔ سعودی وزارتِ دفاع نے کہا کہ اجلاس میں انٹیلی جنس اور عسکری تعاون کے فروغ اور صلاحیتوں کی یکجہتی پر بات چیت ہوئی تا کہ اجتماعی دفاع اور جوابی ردِ عمل کی صلاحیت کو تقویت مل سکے۔ وزارت کے مطابق چیفس آف سٹاف نے سکیورٹی صورتحال کا جائزہ لیا اور مکہ مکرمہ و سعودی مملکت کے شہری انفراسٹرکچر پر ہونے والے حملوں کی مذمت کی۔ جبکہ معاہدے کے فریقین نے مشترکہ دفاع کے لئے اپنی مکمل وابستگی کا اعادہ کیا جو کہ سعودی عرب کی سکیورٹی، خود مختاری اور علاقائی سالمیت کے دفاع کے لئے تینوں ممالک کے عزم کی عکاسی کرتا ہے.." [الجزیرہ، 26 ستمبر، 2026ء]، یعنی یہ اجلاس اس وقت منعقد ہوا جب حوثی یمن کے مغربی ساحل پر اپنا مکمل تسلط قائم کر چکے تھے!

7- علاوہ ازیں امریکہ نے نہ تو مداخلت کی اور نہ ہی حوثیوں پر کوئی حملہ کیا جبکہ وہ بار بار یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایران کے حامیوں کو نشانہ بنا رہا ہے، اور نہ امریکہ نے سعودی عرب سے حوثیوں پر حملہ کرنے کو کہا اور نہ ہی سہ فریقی اتحاد کو فعال کرنے کی ہدایت دی۔ اور یہ سب باوجود اس حقیقت کے ہے کہ امریکہ نے شام، عراق اور لبنان میں موجود ایران کے باقی ایجنٹوں کے معاملے میں سخت اقدامات کیے ہیں۔ اگرچہ حوثی یمن میں ایران کا ایک مضبوط بازو ہیں لیکن امریکہ اور سعودی عرب نے کوئی حتمی کارروائی نہیں کی جیسا کہ انہوں نے ایران کے دیگر بازوؤں کے ساتھ معاملہ روا رکھا ہے، چنانچہ وہ حوثیوں کو یمن کے مغربی ساحل پر قبضہ کرنے سے روکنے کے لئے بالکل متحرک نہیں ہوئے! اس معاملے میں ان دونوں کی سازش ہر اس ذی شعور کے لئے بالکل واضح ہے جو معاملات پر نظر رکھتا ہو۔ چنانچہ رائٹرز نیوز ایجنسی نے 13 ستمبر، 2026ء کو تین ذرائع کے حوالے سے رپورٹ کیا کہ امریکی صدر ٹرمپ نے سعودی ولی عہد محمد بن سلمان کے ساتھ ٹیلی فونک رابطہ کیا جس میں ٹرمپ نے اسے اپنا "ایک اچھا دوست" قرار دیتے ہوئے کہا کہ "میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہر چیز بالکل درست اور بہترین انداز میں ہو جائے گی۔ معاملات ٹھیک جا رہے ہیں"۔ اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ٹرمپ اس سازش کے پیچھے ہے کیونکہ "ہر چیز بالکل ٹھیک اور بہترین ہو گی" کا معانی یہ ہے کہ یعنی جیسا امریکہ چاہتا ہے اور نتیجہ اس کے مفاد میں نکلے گا۔ اور اس بات کی مزید تصدیق امریکی وزیر خارجہ، مارکو روبیو کے دورۂ سعودی عرب اور اس کے حکمران، محمد بن سلمان سے ملاقات کرنے سے ہوتی ہے جو کہ عین اس دوران ہوئی جب حوثی مغربی ساحل پر پیش قدمی کر رہے تھے، اور بعد ازاں 08 ستمبر، 2026ء کو مارکو روبیو کے اس بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ، "ہمارے سعودی عرب کے ساتھ انتہائی مضبوط عسکری دفاعی

تعلقات ہیں۔ اور ہم ان تعلقات میں اپنے عہد کو پورا کریں گے"۔ یوں امریکی عہدیدار یہ اعلان کرتا ہے کہ امریکہ حالات کی باریک بینی سے نگرانی کر رہا ہے، یعنی کہ امریکہ پیش آنے والے ہر واقعے سے مکمل آگاہ ہے!

8- اور اس کی مزید تصدیق اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ امریکہ نے یمنی حکومت کی جانب سے عسکری مداخلت کرنے کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ رائٹرز نیوز ایجنسی نے 21 ستمبر، 2026ء کو ایک یمنی اور ایک ویسٹرن ذرائع کے حوالے سے رپورٹ کیا کہ "یمنی صدارتی کونسل کے سربراہ، رشاد العلیمی نے گزشتہ روز ایک ٹیلی فون کال کے دوران ٹرمپ سے امریکی عسکری امداد کی درخواست کی، اور ذرائع نے بتایا کہ ٹرمپ نے اس گفتگو کے دوران عسکری امداد کی فراہمی کا کوئی براہِ راست وعدہ نہیں کیا"۔ اسی طرح ٹرمپ نے خود یہ بیان دیا کہ، "حوثیوں نے ہم سے رابطہ کیا ہے، اور انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ لڑنا نہیں چاہتے اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ میں ان پر حملہ کروں" (العربي الجديد، 13 ستمبر، 2026ء)۔ اور اس کے علاوہ رائٹرز ایجنسی نے 16 ستمبر، 2026ء کو پانچ ذرائع کے حوالے سے خبر دی کہ "امریکی حکام نے ویک اینڈ کے موقع پر مسقط میں واقع امریکی سفارت خانے کے اندر یمنی حوثی جماعت کے نمائندوں سے ایک خفیہ ملاقات کی۔ اس ملاقات میں نمایاں حوثی عہدیداروں نے شرکت کی جن میں حوثی گروپ کے ترجمان، محمد عبد السلام اور عبد الملک العجری بھی شامل ہیں۔ واضح رہے کہ محمد عبد السلام پر امریکی پابندیاں بھی عائد ہیں"۔ ذرائع نے بتایا کہ "حوثی نمائندوں نے ملاقات کے دوران 2025ء میں واشنگٹن کے ساتھ طے پانے والے جنگ بندی معاہدے کی پابندی کرنے اور امریکی یا اسرائیلی جہازوں کو نشانہ نہ بنانے کا عہد کیا، تاہم انہوں نے خود پر حملہ آور جہازوں پر حملہ کرنے کا اپنا حق برقرار رکھا"۔ اور خود حوثی جماعت کے پولیٹکل بیورو کے رکن محمد البخیتی نے 20 ستمبر، 2026ء کو صنعاء سے امریکی نیوز ایجنسی، ایسوسی ایٹڈ پریس کو بذریعہ زوم (Zoom) ایک انٹرویو میں اس بات کا اعتراف کیا کہ، ان کے گروپ اور امریکہ کے درمیان سلطنتِ عمان کی وساطت سے بالواسطہ رابطے ہوئے ہیں۔ اس نے مزید یہ بیان دیا کہ حوثی گروپ نے ٹرمپ انتظامیہ کو مطلع کیا ہے کہ وہ امریکہ پر یا بحر احمر اور باب المندب میں موجود امریکہ کے بحری جہازوں کو نشانہ بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، اور یہ کہ ان کا موجودہ آپریشن سعودی عرب کے خلاف ہے۔ نیز البخیتی نے یہ بھی تذکرہ کیا کہ واشنگٹن نے حوثی گروپ سے اس وقت رابطہ کیا تھا جب اس کی فوجیں یمن کے مغربی ساحل پر پیش قدمی کر رہی تھیں اور باب المندب پر واقع علاقوں تک پہنچنے کے قریب تھیں"۔ پس یہ تمام شواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ امریکہ ہی کا تیار کردہ منصوبہ تھا اور حوثی گروپ نے دانستہ طور پر اس منصوبے پر عمل کیا!

9- یمن کے مغربی ساحل پر حوثیوں کے حملوں کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے اور اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ حوثی تقریباً پورے ساحل پر اپنا کنٹرول حاصل کر چکے ہیں، تو ان حقائق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نہ تو امریکہ عدن میں یمنی حکومت کی مدد کے لئے متحرک ہوا اور نہ ہی سعودی عرب حرکت میں آ رہا ہے حالانکہ حوثی حملوں نے اسے بھی نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسقط (عمان) میں امریکیوں کے ساتھ حوثی نمائندوں کی ملاقاتیں اور عدن حکومت کی درخواست کے باوجود مغربی ساحل پر حوثی حملوں کو

روکنے کے لئے امریکہ کے مداخلت نہ کرنے کے مذکورہ بالا بیانات، یہ تمام امور اس بات کا ثبوت ہیں کہ یمن کے بیشتر مغربی ساحل پر حوثیوں کا قبضہ امریکی اور سعودی منظوری سے ہی ہوا ہے۔ اور یہ اقدام مندرجہ ذیل تین مقاصد سے مطابقت رکھتا ہوا ظاہر ہوتا ہے:

اول: یمن کے نظامِ حکومت میں حوثیوں کو شامل کرنا اور حکومت میں انہیں بنیادی کردار دینا، تاکہ مرحلہ وار انداز میں یمن میں موجود برطانوی ایجنٹوں کو اقتدار سے باہر کیا جاسکے، خاص طور پر اس حقیقت کے بعد کہ یمن میں برطانیہ کے وفاداروں کا بھی تک مکمل خاتمہ نہیں ہوا بلکہ ان میں سے کچھ صدارتی کونسل اور اس کے اردگرد اب بھی موجود ہیں۔

دوئم: یہ اقدام ایرانی حکومت کو ترغیب دینے اور امریکہ کے بارے میں ان کے موقف میں نرمی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے، جیسا کہ نیویارک میں امریکی و ایرانی ملاقاتوں میں ظاہر ہوا، اور اسی طرح ایرانی صدر اور ایرانی وزارتِ خارجہ کی جانب سے پیش کیے گئے اس ایرانی منصوبے سے بھی جسے وہ ٹرمپ کی منظوری ملنے کی توقع کر رہے تھے تاکہ ایران دوبارہ اسی طرح سے امریکی مدار میں گردش کرنے لگے، لیکن ٹرمپ نے اپنے تکبر کی وجہ سے اس پیشکش کو مسترد کر دیا کیونکہ ٹرمپ اب بھی اس بات پر مُصر ہے کہ ایران محض ایک مطیع اور تابع فرمان ایجنٹ بن کر رہے۔

سوئم: یہ "جنگجوں کے لئے کچھ دیر آرام" کی حکمتِ عملی میں سے ہے، کیونکہ امریکہ کو تقریباً ایک ماہ بعد مڈٹرم انتخابات کا سامنا ہے، اور بہر حال انتخابی عمل کا تقاضا ہے کہ حالات کو، بالخصوص عسکری تصادم کو انتخابات کے اختتام تک پر سکون رکھا جائے۔

اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں مقاصد، خواہ یہ فرداً فرداً ہوں یا مجموعی طور ہوں، امریکی اور سعودی عرب کی جانب سے یمن کے مغربی ساحل پر حوثیوں کے کنٹرول کے خلاف موثر جوابی کارروائی نہ کرنے کی بنیادی وجہ ہیں، جس کے نتیجے میں حوثیوں کو مغربی ساحل پر نہایت آسانی کے ساتھ کنٹرول حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا گیا!

10- یوں اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یمن میں اینگلو امریکی (برطانوی امریکی) کشمکش علاقائی اور مقامی ایجنٹوں کے ذریعے اپنے عروج پر ہے۔ یمن کے عوام اس کشمکش کا ایندھن بنے ہوئے ہیں اور دہائیوں سے اس کشمکش کے باعث دوہرے مصائب جھیل رہے ہیں۔ ان ایجنٹوں کو عوام سے زیادہ اپنے ذاتی مفادات کی فکر ہوتی ہے۔ اس لئے یمن کے پاس کوئی خلاصی ممکن نہیں سوائے اس کے کہ ان ایجنٹوں سے اپنی جان چھڑالے، جو باہم برسرِ پیکار استعماری طاقتوں کو یمن میں موجود رہنے اور اپنا اثر و رسوخ قائم رکھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اور ان ایجنٹوں سے تب تک چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ نبوت کے طریقے پر خلافتِ راشدہ قائم نہ کر لی جائے، جس کا وعدہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے، ﴿**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ**﴾ **"تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں جانشین (حکمران) بنائے گا"** (النور؛ 24:55)۔ اور خلافت کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے بھی دی ہے، آپ ﷺ

نے فرمایا، **«ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ» "پھر نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہوگی"** (اسے احمد، طیالسی اور البزار نے روایت کیا ہے)۔

اسی لئے ہم اہل یمن کو، جن کی تعریف رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے، **«الْإِيمَانُ يَمَانٍ هَا هُنَا» "ایمان یمن کا (یعنی اہل یمن کا) ہے، بالکل یہیں"** (اسے بخاری نے روایت کیا ہے) اور آپ ﷺ نے فرمایا، **«الْفِقْهُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ» "فہم وفقہ یمن کی ہے اور حکمت یمن کی ہے"** (اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے)۔ ہم اہل یمن کو دعوت دیتے ہیں کہ حزب التحریر کی نصرت و مدد کریں تاکہ ہم سب مل کر اللہ غالب و عزیز کے وعدے اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت کی تکمیل کے لئے جدوجہد کریں، یوں ہم اس دنیا اور آخرت، دونوں جہانوں میں کامیابی و کامرانی حاصل کریں اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

15 ربیع الثانی 1448ھ

بمطابق 27 ستمبر، 2026 عیسوی

فہرست

پاکستان کی فوجی قوت پاکستان اور مشرقِ وسطیٰ کو ریاستِ خلافت کی شکل میں یکجا کرنے کے لیے استعمال ہونی چاہیے، نہ کہ مشرقِ وسطیٰ اور خلیج میں ٹرمپ کے ایجنڈے کو نافذ کرنے کے لیے

حزب التحریر ولایہ پاکستان

مسلم دنیا میں امریکی استعمار اب بڑی حد تک سیکیورٹی اتحاد (security alliances) پر انحصار کرنے پر مجبور ہو چکا ہے، کیونکہ امریکی فوج کے زمینی اور فضائی حملوں اور معاشی پابندیوں کے ہتھکنڈوں کی ناکامی عیاں ہو چکی ہے۔ مختلف اتحادوں کا ایک جال بچھا کر امریکہ مسلم دنیا کے بے پناہ معاشی وسائل اور اس کی باصلاحیت فوجی قوت سے فائدہ اٹھانے کی حکمتِ عملی پر گامزن ہے، جس میں مسلم دنیا کی سب سے طاقتور ریاست، پاکستان، کی فوجی قوت بھی شامل ہے۔

پاکستان، ترکیہ اور سعودی عرب نے جب فوجی اتحاد کا اعلان کیا تو امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اپنی خوشی چھپا نہ سکا۔ مکہ فوجی اتحاد ایک ایسا اتحاد ہے جو مسلم ریاستوں اور مسلم فوجی قوت کو ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر رہا ہے تاکہ مسلمانوں کی فوجی طاقت کو آپس کی لڑائی میں ضائع کر دیا جائے۔ 16 اگست 2026ء کو ٹرمپ نے ٹروتھ سوشل پر لکھا: ”مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ سعودی عرب، ترکیہ اور پاکستان نے حال ہی میں، اور بالآخر، مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط کر دیے ہیں۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کس طرح باہم متحد ہو رہا ہے...“۔ مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے کے ذریعے امریکہ مشرقِ وسطیٰ میں اپنے سیاسی اور سٹریٹیجک مفادات کے دفاع کے لیے پاکستان کی مضبوط اور مؤثر عسکری قوت کو بروئے کار لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ امریکہ کے مشرقِ وسطیٰ سے وابستہ مفادات میں ایران اور اس کے اتحادیوں کی بڑھتی ہوئی عسکری طاقت کا مقابلہ کرنا، خلیج میں طاقت کے توازن کو قائم کرنا، امریکہ نواز سعودی حکومت کا دفاع کرنا اور مشرقِ وسطیٰ میں امریکی فوجی موجودگی کا تحفظ شامل ہیں۔

مسلم دنیا میں پہلے عراق، پھر افغانستان، اور اب ایران کے ہاتھوں پے در پے اور ذلت آمیز شکستوں کے بعد امریکہ اب مشرقِ وسطیٰ اور مسلم دنیا میں اپنے سٹریٹیجک مقاصد کے حصول کے لیے مسلم حکمرانوں کی عسکری قوت کو بروئے کار لانے کی کوشش کر رہا ہے جو امریکہ کے حلیف و تابع کی حیثیت سے خطے کو قابو میں رکھیں اور خطے کے متعلق امریکہ کی پالیسیوں کو نافذ کریں۔ چنانچہ امریکہ نے پاکستان کے حکمرانوں کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ سرحدی علاقوں کے حوالے سے ایک سخت گیر فوجی پالیسی اختیار کرتے ہوئے افغان طالبان حکومت کو قابو میں رکھیں، جبکہ شام کا انتظام امریکہ کے نمائندہ کے طور پر ترکیہ کے سپرد کیا گیا ہے، دوسری طرف سعودی حکومت خلیج میں امریکی اثر و رسوخ کے محافظ کے طور پر اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔

جہاں تک پاکستان کے حکمرانوں کا تعلق ہے، تو واشنگٹن کے ساتھ اتحاد سے آگے ان کے پاس کوئی وژن نہیں اور یہ حکمران پاکستان کی طاقت کو خطے میں امریکی منصوبوں کو نافذ کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ پاکستان کے وزیرِ اعظم، شہباز شریف، نے 17 اگست 2026ء کو امریکہ سے وفاداری اور تابعداری کے اظہار کے لیے ٹویٹ کیا: ''مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے پر دستخط کے موقع پر صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے حمایت کے پُرخلوص کلمات پر میں تہِ دل سے ممنون ہوں''۔ پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت احمقانہ طور پر یہ سمجھتی ہے کہ پاکستان صرف اسی صورت ترقی کر سکتا ہے جب وہ امریکی قیادت میں چلنے والے ورلڈ آرڈر کا تابع دار بن کر رہے۔ مغرب زدہ سیاسی و عسکری حکمران اشرافیہ کا یہ گہرا یقین، پاکستان کے مسلمانوں کے لیے بے پناہ مصائب، فوجی تباہی اور معاشی بدحالی کا باعث بنا ہے۔ اس کے باوجود پاکستان کے کوتاہ نظر حکمران امریکہ کی قیادت میں قائم ورلڈ آرڈر کی غلامانہ اطاعت کی راہ پر گامزن ہیں اور مشرقِ وسطیٰ کے حوالے سے ٹرمپ کے ایجنڈے کو اختیار کرنے اور اس کی خدمت بجالانے کے لیے عجلت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ حکمران فلسطین اور غزہ کے مسلمانوں کو محکوم بنانے کے لیے ٹرمپ کے ''بورڈ آف پیس'' میں شامل ہوئے؛ ٹرمپ کے ایجنٹ محمد بن سلمان (MBS) کے ساتھ مل کر باب المندب کی نگرانی کے لیے ''کثیر القومی بحری دفاعی اتحاد'' (MMDC) میں شامل ہوئے؛ اور ٹرمپ کے ''پسندیدہ فیلڈ مارشل''، عاصم منیر، نے ایران کو ٹرمپ کے ساتھ معاہدہ کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے دن رات ایک کر دیا، حالانکہ پاکستان کو اپنی فوجی طاقت کے ساتھ ایران کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے تھا تاکہ امریکہ کو چیلنج کر کے امریکہ کو مسلم دنیا سے حتمی اور مکمل انخلاء پر مجبور کیا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے حکمرانوں کو یہ یقین ہے کہ پاکستان کی طاقتور عسکری قوت کو ٹرمپ اور امریکہ کو کرائے پر دے دیا جائے، اور اس کے بدلے چند معمولی معاشی فوائد حاصل کیے جائیں۔ جبکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا**﴾ **"وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ تو (جان لو کہ) عزت تو ساری اللہ کے لیے ہے"** (النساء: 139)۔

اے پاکستان کے مسلمانو! امریکہ زوال پذیر ہے اور امتِ مسلمہ کی قوت سے خائف ہے۔ امریکہ اور یہودی وجود کی ایران کے خلاف جنگ نے ہماری سرزمین میں امریکی طاقت کی بودی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے؛ درحقیقت امریکہ کی طاقت کا انحصار بڑی حد تک اُس حمایت پر ہے جو امریکہ کو مسلم حکمرانوں سے حاصل ہے۔ مسلم سرزمین میں امریکی جنگی مشینری اُن فوجی اڈوں اور رسد کے بغیر مؤثر اور کارآمد نہیں ہو سکتی جو مسلم حکمران امریکہ کو فراہم کرتے ہیں۔ یہ مسلم دنیا کے حکمران ہی ہیں جو امریکہ کو ہماری سرزمین اور سمندری گزرگاہوں پر غلبہ حاصل کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ یہ مسلم دنیا کے حکمران ہی ہیں جو مسلمانوں کی عسکری قوت اور دولت کو استعمال کرتے ہوئے امریکہ کی قیادت میں قائم ورلڈ آرڈر کے اثر و رسوخ کو ہماری سرزمینوں میں قائم رکھے ہوئے ہیں۔ امت کے پاس امریکہ کا مقابلہ کرنے کی قوت بھی ہے اور صلاحیت بھی۔ چند ماہ کے لیے آبنائے ہرمز کی بندش نے توانائی کی عالمی مارکیٹ کو شدت سے ہلا کر رکھ دیا اور عالمی معیشت کو اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے امت کو بے پناہ عسکری قوت، تیل، گیس اور معدنی

وسائل کی دولت سے نوازا ہے۔ ہم اہم سٹریٹیجک آبی گزر گاہوں اور بین الاقوامی تجارتی راستوں پر غلبہ رکھتے ہیں، اور دنیا بھر میں ہماری تعداد دو ارب سے بھی زیادہ ہے۔ تاہم ہمارے معاملات منقسم ہیں اور ہماری قوت منتشر ہے، کیونکہ ہمیں وحدت بخشنے والی خلافت موجود نہیں۔ ہمیں ان حکمرانوں کو للکارنے اور ان سے بازپرس کرنے کی قوت اور عزم اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا، اور ہمیں امریکہ کی قیادت میں قائم عالمی نظام (ورلڈ آرڈر) کی محکومی کو مسترد کرنا ہوگا؛ ایسا نظام جو طاغوت (اللہ سے بغاوت پر مبنی ڈھانچہ) ہے، ایسا وجود کہ جسے مسترد کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**فَمَن يَكْفُرْ بِٱلطَّٰغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱسْتَمْسَكَ بِٱلْعُرْوَةِ ٱلْوُثْقَىٰ لَا ٱنفِصَامَ لَهَا ۗ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ**﴾ **"تو جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے بڑی مُحکَم گرہ تھام لی، جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے"** (البقرۃ: 256)۔

اے پاکستان کے مسلمانو! امریکی اتحاد کے اِس جال کو مسترد کر دو، جو دنیا میں نقصان اور آخرت میں خسارے کا باعث بنے گا۔

مسلم حکمرانوں میں موجود ٹرمپ کے ایجنٹوں اور پیروکاروں کی جانب سے امریکی ریاست کے ساتھ کیے جانے والے اتحاد کو مسترد کر دو۔ ان کافروں کے ساتھ اتحاد جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی مسلمانوں سے جنگ کرنے میں مدد دیتے ہیں- جیسا کہ امریکہ کرتا ہے- کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ایسا اتحاد حرام ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنْ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الظَّالِمُونَ**﴾ **"اللہ تو تمہیں اُن لوگوں سے اتحاد رکھنے سے منع کرتا ہے جو دین کے معاملے میں تم سے جنگ کرتے ہیں، تمہیں تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں، یا تمہیں نکالنے میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں؛ اور جو لوگ ان سے اتحاد قائم کریں، وہی حقیقت میں ظالم ہیں"** [الممتحنہ: 9]۔

مسلم ریاستوں کے مابین قائم اتحاد کو مسترد کرو اور اس کے بجائے مسلم علاقوں کی ایک واحد اسلامی ریاست کی شکل میں وحدت کا مطالبہ کرو۔ موجودہ مسلم ریاستوں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان کا ایک واحد خلافت کی شکل میں یکجا ہونا فرض ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، «**وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ**» **"بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے، اور کثرت سے ہوں گے"** آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کی، **فَمَا تَأْمُرُنَا** **"پس آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟"** آپ ﷺ نے فرمایا، «**فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ**» **"تم میں جو پہلے خلیفہ ہو، اس کی بیعت کو پورا کرو، پھر اس کے بعد آنے والے کی"** (صحیح مسلم)۔

امام نوویؒ اپنی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں: ((وَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَةٍ بَعْدَ خَلِيفَةٍ فَبَيْعَةُ الْأَوَّلِ صَحِيحَةٌ يَجِبُ الْوَفَاءُ بِهَا وَبَيْعَةُ الثَّانِي بَاطِلَةٌ يَحْرُمُ الْوَفَاءُ بِهَا وَيَحْرُمُ عَلَيْهِ طَلَبُهَا وَسَوَاءٌ عَقَدُوا لِلثَّانِي عَالِمِينَ بِعَقْدِ الأَول جَاهِلِينَ وَسَوَاءٌ كَانَا فِي بَلَدَيْنِ أَوْ بَلَدٍ أَوْ أَحَدُهُمَا فِي بَلَدِ الْإِمَامِ الْمُنْفَصِلِ)) "اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کے لیے بیعت کی جائے، تو پہلے خلیفہ کی تقرری

درست ہے اور اس کی بیعت کو پورا کرنا واجب ہے، جبکہ دوسرے کی بیعت باطل ہے؛ اس کی بیعت کو پورا کرنا حرام ہے اور خود دوسرے شخص کے لیے بھی اپنی بیعت کا مطالبہ کرنا حرام ہے۔ اس حکم میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مسلمانوں نے دوسرے شخص کی بیعت پہلے خلیفہ کی تقرری سے باخبر ہوتے ہوئے کی یا اس سے لاعلمی کی حالت میں۔ اسی طرح اس بات سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دونوں خلیفہ دو الگ الگ علاقوں میں ہوں یا ایک ہی علاقے میں، یا ان میں سے ایک ایسے علاقے میں ہو جو دوسرے سے بالکل جدا اور منفصل ہو"۔

اے پاکستان کی مسلح افواج! مسلم دنیا میں امریکی استعمار، دوسری جنگِ عظیم کے بعد اپنی ابتدا سے لے کر آج تک، اپنی سب سے نازک حالت میں ہے۔ مسلم دنیا میں امریکی راج، امریکہ کے ایجنٹوں اور پیروکاروں کے ساتھ امریکہ کے اتحاد، اور امریکی ایجنٹ حکمرانوں کے باہمی اتحاد کے جال کے سہارے قائم ہے۔ اگرچہ گزشتہ تمام دہائیوں میں امریکی استعمار کے خاتمے میں ناکامی پر تمام مسلم افواج جواب دہ ہیں، لیکن آپ سب سے زیادہ جواب دہ ہیں، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو بے پناہ قوت عطا کی ہے۔ پوری مسلم دنیا کو ایک واحد خلافت میں متحد کرنے کے فطری عمل کے آغاز کے لیے صرف ایک مضبوط مسلم ریاست ہی کافی ہے۔ آخر وہ پاکستان کیوں نہ ہو؟ اپنے عزم کو مضبوط کرو، غدار حکمرانوں کے ہاتھ مضبوطی سے روک دو، امریکہ کے ساتھ کیے گئے اتحاد کو ختم کرو، اور خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو اپنی نُصرۃ (عسکری مدد) فراہم کرو۔

23 ربیع الثانی 1448 ہجری — **حزب التحریر**

15 اکتوبر 2026ء — ولایہ پاکستان

فہرست

سیلاب اقصیٰ کے تین سال بعد

ارض مقدس فلسطین میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

اکتوبر 2023ء، تین سال قبل کا ایک ایسا دن، جو امتِ مسلمہ کی یادداشت میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا۔ وہ صبح دشمن کی کمزوری کو بے 7 نقاب اور اس نام نہاد "ناقابلِ تسخیر وجود" کے افسانے کو چکنا چور کر گئی۔ اس دن ان حکومتوں کا اصل چہرہ بھی سامنے آ گیا جو ایک عرصے سے اس عذر کے پیچھے فلسطین سے غداری کرتے آئے تھے کہ وہ اس دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہ وہ دن تھا جب مجاہدین کے ایک چھوٹے سے گروہ نے ثابت کر دیا کہ آزادی کا حصول ممکن ہے؛ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ جن لوگوں کے پاس فیصلہ کن اقدام کرنے کی طاقت موجود ہے، وہ اخلاص کے ساتھ اس معاملے کو حتمی طور پر حل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیں۔

امتِ مسلمہ کبھی فراموش نہیں کرے گی کہ 7 اکتوبر 2023ء نے اس کے اندر عزت، قوت اور جہاد کی روح کو پھر سے زندہ کر دیا۔ وہ اس دو بدو لڑائی Zero-Range Combat) کو نہیں بھولے گی، نہ ان مجاہدین کو جو دشمن کے ٹینکوں پر سوار ہو گئے، اور نہ اس (شہید کو جو سجدے کی حالت میں پایا گیا۔ امت ان عظیم الشان کارناموں کو بھی نہیں بھولے گی، جو محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کی یاد تازہ کراتے ہیں۔

امت یہ حقیقت بھی نہیں بھولے گی کہ اس کا دشمن قتل عام کرنے میں تو ماہر ثابت ہوا، لیکن حقیقی میدانِ جنگ میں مردوں کے طرح مقابلہ کرنے میں ناکام رہا؛ کہ حقیقی جنگ ہتھیار نہیں، بلکہ بہادر اور ثابت قدم انسان لڑتے ہیں؛ اور جن کے پاس ایسے باہمت اور ثابت قدم افراد موجود ہوں، وہ دنیا کے طاقتور ترین ہتھیاروں کے سامنے بھی سرِ تسلیم خم نہیں کرتے۔

امتِ مسلمہ کبھی فراموش نہیں کرے گی کہ غزہ کو یہودی وجود نے ان ہتھیاروں کے ذریعے لہولہان کیا جو بڑی طاقتوں نے اسے فراہم کیے، جن میں سب سے نمایاں امریکہ تھا۔ وہ ان سپلائی لائنز کو بھی نہیں بھولے گی جو مسلم سرزمینوں میں موجود بعض حکمرانوں نے اس ریاست کے لیے فراہم کیں؛ یہ راستے اس کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتے تھے اور امت کے جسم اور سرزمین کو چیرتے ہوئے گزرتے رہے۔

امت یہ بھی نہیں بھولے گی کہ ان مسلم حکومتوں نے غزہ کا محاصرہ ہر سمت سے مزید سخت کر دیا، دوا، پانی اور خوراک کی فراہمی روک دی، اور یوں عملاً غزہ کے خلاف جاری جنگ میں فریق ثانی بن گئے۔

یقیناً، امتِ مسلمہ یہ بھی فراموش نہیں کرے گی کہ غزہ اس وقت بھی ثابت قدم رہا جب پوری دنیا، اور بالخصوص وہ حکمران جنہوں نے اپنی تقدیر مغرب کے ساتھ باندھ رکھی تھی اور اپنی بقا کو اس وجود کی بقا سے وابستہ کر لیا تھا، جو اس کے خلاف جنگ میں شریک تھے۔

امت ان مظاہروں، اپنے غم وغصے کے اظہار اور ان پُرزور مطالبات کو بھی نہیں بھولے گی جن میں غزہ کی حمایت اور فلسطین کی آزادی کے لیے فوجیں بھیجنے کا مطالبہ کیا گیا۔ کبھی ان تحریکوں کا راستہ روکنے اور کبھی انہیں دبانے کی کوشش کی گئی، کیونکہ حکمرانوں کو یہ خوف لاحق تھا کہ امت کے اندر بھڑکنے والا یہ غصہ، یہودی وجود تک پہنچنے سے پہلے خود ان حکمرانوں کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔

امت یہ بھی نہیں بھولے گی کہ غزہ کے لیے پوری دنیا میں آواز بلند ہوئی اور عالمی رائے عامہ نے یہودی وجود کے ظلم وبربریت کو پہچاننا شروع کر دیا—بلکہ ان حکمرانوں کے کردار کو بھی، جنہوں نے اس یہودی وجود کو قائم کیا اور اسے برقرار رکھنے میں معاونت کی۔ یہاں تک کہ غزہ پوری دنیا کے لیے ایک علامت بن گیا اور عالمی نظام کی مجموعی کیفیت کو تبدیل کرنے والی ایک مؤثر قوت بن کر ابھرا۔
امتِ مسلمہ یہ بھی نہیں بھولے گی کہ کس طرح حکمرانوں نے ٹرمپ کی بات مانی اور ایک "بورڈ آف پیس" قائم کیا، گویا وہ امت اور پوری دنیا میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھانے کے لیے آگ بجھانے والا آلہ ہاتھ میں لیے کھڑے ہوں۔ امت یہ بھی نہیں بھولے گی کہ یہودی وجود اپنی تمام تر فوجی طاقت، ہتھیاروں اور قوت کے باوجود اپنے قیدیوں کو رہا نہ کرا سکی، یہاں تک کہ ٹرمپ کی قیادت میں بعض حکمرانوں نے جنگ بندی کے پردے میں انہیں رہا کروالیا—یعنی جس کام کو یہ وجود اپنی فوجی طاقت کے ذریعے حاصل نہ کر سکی، وہ دھوکے اور فریب کے ذریعے حاصل کر لیا گیا۔ پھر انہوں نے اپنے وعدوں سے انحراف کیا اور منہ پھیر لیا، اور غزہ کو ایسے دشمن کے حوالے کر دیا جو قتل کرتا ہے، بھوکا رکھتا ہے اور محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ یوں انہوں نے عملاً غزہ کو ٹرمپ اور نیتن یاہو کے حوالے ایسے کر دیا جیسے اسے قربانی کے لیے پیش کیا جا رہا ہو؛ گویا وائٹ ہاؤس کی دہلیز پر اسے ذبح کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو۔
اور بالآخر، امتِ مسلمہ یہ حقیقت بھی کبھی فراموش نہیں کرے گی کہ ایک امت کی حقیقی تصویر سے گرد وغبار چھٹ چکا ہے: اس کی فتح ایک ہے، اس کی جنگ ایک ہے، اس کا امن ایک ہے، اور اس کا غصہ واطمینان بھی ایک ہی جسم کے مانند ہے۔ امت اب یہ پہچان چکی ہے کہ اس کے درمیان قائم سرحدیں اور رکاوٹیں محض استعمار کی چھوڑی ہوئی میراث ہیں؛ وہ پرانی لکیریں ہیں جو بہت پہلے کھینچ دی گئی تھیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ان نشانات کو بھی مٹا دیا جائے اور ان حکمرانوں کو بھی ختم کیا جائے جو انہی مصنوعی سرحدوں کے سہارے قائم ہیں۔ سیلابِ اقصیٰ Aqsa flood کے تین سال گزر چکے ہیں۔ غزہ میں دسیوں ہزار شہداء ہو چکے ہیں اور لاکھوں زخمی ہوئے ہیں، جبکہ بھوک، پیاس، شدید موسمی حالات، غربت اور تنگ دستی وہاں کے حالات کی عکاسی کر رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب یہودی وجود کی اس شبیہ کو توڑ دینے کی سزا ہے جسے وہ ناقابلِ شکست ثابت کرنا چاہتی تھی، اور اس کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کی ایک بے سود کوشش ہے۔ ساتھ ہی یہ اس احساس کو دفن کرنے کی کوشش بھی ہے کہ امتِ مسلمہ ایک وحدت ہے، جو غزہ کے درد کو محسوس کرتی ہے اور اپنی وحدت کو یاد رکھتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی دشمن خواہش رکھتے ہیں، لیکن ان کی امیدیں خاک میں مل چکی

ہیں۔ اب یہ قافلہ پیچھے نہیں لوٹ سکتا، کیونکہ امت ایک ایسے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جہاں سے ماضی کی طرف واپسی ممکن نہیں رہی۔

رہی بات امتِ مسلمہ کی، تو اسے اپنی یادداشت تازہ کرنا ہو گی اور اپنی روحِ جہاد کو دوبارہ بیدار کرنا ہو گا۔ اسے یاد رکھنا ہو گا کہ اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ اہلِ ایمان کا دفاع فرماتا ہے اور وہی اس امت کا مددگار ہے۔ امت کو سیلابِ اقصیٰ کی اس کارروائی کو ایک کہیں زیادہ بڑے سیلاب کی چنگاری میں تبدیل کرنا ہو گا — ایسا سیلاب جو محض اہلِ غزہ کی مدد، مسجدِ اقصیٰ اور سرزمینِ مبارک کی آزادی، یا حکمرانوں کے خاتمے تک محدود نہ ہو؛ نہ ہی ایسا ہو کہ امت کچھ عرصے کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے کسی ایک قائد کی قیادت میں متحد ہو اور پھر اس کا سفر رک جائے۔ بلکہ امت کو فتح کے بعد فتح کی جانب مسلسل آگے بڑھنا ہو گا، یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں کفر کی کمزور ہوتی ہوئی طاقتیں پاش پاش ہو جائیں۔ اسے روئے زمین پر پھیلنا ہو گا، اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنا ہو گا اور علاقوں کو فتح کرنا ہو گا، یہاں تک کہ امت کی حکمرانی وہاں تک پہنچ جائے جس کی پیش گوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی: **«إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَسَيَبْلُغُ مُلْكُ أُمَّتِي مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا» بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ کر اس کے مشرق و مغرب میرے سامنے کردیے، اور میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے۔"** پس ہاں، امت اٹھ کھڑی ہو — ثابت قدم اور بے خوف ہو کر — یہاں تک کہ وہ غزہ اور اہلِ غزہ کی مدد کرے اور ان کی نصرت میں ناکامی کے گناہ سے خود کو بری کرے؛ یہاں تک کہ وہ مسجدِ اقصیٰ کو آزاد کرے — وہ مسجد جو اپنے ان فاتحین کی نمازوں کی منتظر ہے جو اسے آزاد کرائیں گے — اور بیت المقدس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صلاح الدین رحمہ اللہ کی آوازیں، نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان دوبارہ بلند کرے۔ اور یہاں تک کہ القدس کو خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ کا دارالحکومت قرار دے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴾ "اور یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے بارے میں ہمارا فیصلہ پہلے ہی صادر ہو چکا ہے کہ بے شک وہی مدد یافتہ ہوں گے، اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا" [سورۃ الصافات :171–173]۔

فہرست

روس کے خلاف سکیورٹی صف بندی اور یورپی جنگی بیانیے میں بڑھتی ہوئی شدت کے پس پردہ عوامل پر ایک تجزیہ

الأستاذ مُناجي محمد

حکمتِ عملی کے اعتبار سے روس اور یوکرین کا تنازع بڑی طاقتوں کے مابین ایک بڑی جنگ کی صورت اختیار کر چکا ہے، جس میں روس براہِ راست فریق ہے، جبکہ امریکہ اور یورپ پس پردہ کارفرما ہیں اور یوکرین میدانِ جنگ کا کردار ادا کر رہا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ عالمی منظر نامے پر اس جنگ کے اسٹریٹجک اثرات انتہائی نازک اور گہرے ہیں۔

امریکہ کا اصل مقصد روس کو ایک دلدل میں پھنسانا ہے تاکہ چین اور روس کے ممکنہ اتحاد کا راستہ روکا جا سکے اور ساتھ ہی روس کی عسکری طاقت کو مفلوج کر دیا جائے۔ نیز یہ کہ، واشنگٹن کا مقصد اس تنازع کو یورپ کا سب سے بڑا دردِ سر بنانا ہے تاکہ اس پورے براعظم کو بین الاقوامی منظر نامے سے الگ تھلگ کیا جا سکے۔ امریکہ نے اس جنگ کے دائرہ کار اور شدت کو مخصوص حدود کے اندر قابو میں رکھنے کی کوشش کی ہے، تاکہ تنازع اس حد کو پار نہ کرے کہ جہاں وہ ایک ہمہ گیر ایسی بڑی جنگ میں تبدیل ہو جائے جس میں نیٹو اور خود امریکہ براہِ راست الجھ جائیں۔

دوسری جانب برطانیہ اس جنگ کو اپنے استعماری عزائم کو تکمیل دینے، بین الاقوامی صف بندیوں کو نئے سرے سے ترتیب دینے اور عالمی منظر نامے کو از سرِ نو تشکیل دینے کا ایک سنہری موقع سمجھتا ہے۔ یوکرین کی حمایت میں برطانیہ کی "زہر آلود فیاضی" کا مقصد اس تنازع کو ایک بڑی بین الاقوامی جنگ کے دہانے تک دھکیل کر لے آنا ہے، جس کے پیچھے یہ امید کارفرما ہے کہ عالمی نظام اور طاقت کے توازن کو بدل کر وہ اپنا کھویا ہوا استعماری اثر و رسوخ دوبارہ حاصل کر لے گا۔

جہاں تک یورپ کا تعلق ہے، جو اس وقت دفاعی تیاریوں اور بڑھتی ہوئی جنگی بیان بازی کی کیفیت میں ہے، تو بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ روس کے خلاف ایک فوری جنگ اور ہمہ گیر جارحیت کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ صورتحال اس امر کی متقاضی ہے کہ یورپی منظر نامے اور اس کے رکن ممالک، بالخصوص جرمنی، فرانس اور اٹلی جیسے اہم فریقین کے اسٹریٹجک اور عسکری مؤقف کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔ روس-یوکرین تنازع کے حوالے سے بڑھتے ہوئے جنگی بیانیے اور شدید انتباہات کے باوجود، خاص طور پر جب اس جنگ کو محض یوکرین کے تنازع کے بجائے پورے یورپ کا سکیورٹی بحران اور یورپی سلامتی کے لئے ایک ایسا سب سے بڑا خطرہ قرار دیا

جارہا ہے جو گزشتہ کئی دہائیوں میں نہ دیکھا گیا، اور اس کے ساتھ ساتھ نیٹو اور یورپ کے خلاف روسی فضائی حدود کی خلاف ورزیوں، تخریب کاریوں، سائبر حملوں اور ہائبرڈ سرگرمیوں میں اضافہ بھی دیکھا جارہا ہے، یورپ کا یہ جنگی بیانیہ کتنا ہی شدید اور تند و تیز کیوں نہ ہو، اپنے پسِ پردہ اصل محرکات، اسباب اور عزائم کو چھپائے ہوئے ہے۔

اگرچہ یوکرین کے خلاف روس کی جنگ بلاشبہ یورپ کے لئے ایک سکیورٹی خطرہ ہے، تاہم روس خود اس تنازع میں بری طرح الجھا ہوا ہے؛ روسی وزیرِ خارجہ لاوروف مسلسل اور واضح طور پر یہ کہتے رہے ہیں کہ روس یورپ کے ساتھ جنگ کا خواہاں نہیں ہے۔ 27 ستمبر، 2025ء کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اعلان کیا تھا کہ روس کا "نیٹو یا یورپی یونین پر حملہ کرنے کا نہ تو پہلے کوئی ارادہ تھا اور نہ ہی اب ایسا کوئی ارادہ ہے"، اور ساتھ ہی انہوں نے واضح کیا کہ پیوٹن بارہا ایسے الزامات کی تردید کر چکے ہیں۔ بعد ازاں، 09 فروری، 2026ء کو لاوروف نے دوٹوک انداز میں کہا، "ہم یورپ کے کسی بھی حصے پر حملہ نہیں کریں گے؛ ہمارے پاس ایسا کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے"۔ پھر 16 ستمبر، 2026ء کو یکاترنبرگ میں انہوں نے اپنے مؤقف کو دہراتے ہوئے کہا کہ روس "مغربی ممالک پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، اور نہ ہی ایسا کرنے میں اس کا کوئی مفاد ہے"، اور یہ وہ مؤقف ہے جس کی ماسکو مسلسل توثیق کرتا رہا ہے۔ مزید یہ کہ روسی ہائبرڈ سرگرمیوں میں اضافہ، بالخصوص روس سے ملحقہ یورپی خطے میں، دفاعی نوعیت کا حامل ہے اور یوکرین کے لئے یورپ کی بڑھتی ہوئی حمایت پر ردِ عمل کی حیثیت رکھتا ہے، نہ کہ یہ یورپی ریاستوں کے خلاف کوئی پیش قدمی یا جارحیت ہے۔ اس کے علاوہ خود یورپی رپورٹس اور انٹیلی جنس جائزے بھی اس تصور کی نفی کرتے ہیں کہ یورپ کی یہ عسکری صف بندی یورپ اور روس کے مابین کسی ناگزیر یا فوری جنگ کا پیش خیمہ ہے۔ سرکاری اور ادارہ جاتی یورپی رپورٹس موجودہ دہائی کے اختتام، یعنی بالخصوص 2029ء سے 2030ء کے درمیانی عرصے، کو ایک ایسا نازک موڑ قرار دیتی ہیں جب روس کے پاس نیٹو کے کسی رکن ملک کے لئے خطرہ بننے کی ممکنہ صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ رپورٹس اس بات کی نشاندہی نہیں کرتیں کہ روس 2030ء میں یورپ پر کوئی فوجی حملہ کر دے گا؛ بلکہ وہ بنیادی طور پر اس امر پر بحث کرتی ہیں کہ روسی عسکری صلاحیتیں ایک فیصلہ کن حد تک پہنچ جائیں گی یا اس کے پاس جنگ چھیڑنے کا ایک متبادل آپشن حاصل ہو جائے گا۔ حقیقت میں یہ رپورٹس روسی عسکری طاقت کی مستقبل کی صورتحال کا تجزیہ ہیں، نہ کہ کسی فوری جنگ کے چھڑنے کی پیشن گوئی۔

یہ صورتحال سب سے اہم سوال کو جنم دیتی ہے: یورپ میں موجودہ سکیورٹی صف بندی اور بڑھتی ہوئی جنگی بیان بازی کے پسِ پردہ اصل حقیقت کیا ہے؟

اس کا جواب یورپ سے باہر جنم لینے والے ایک ایسے عنصر میں پنہاں ہے جو یورپی اسٹریٹجک سلامتی کے لئے غیر معمولی اہمیت اور سنگین خطرے کا حامل ہے، اور وہ ہے: ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔ خاص طور پر "ٹرمپ کا دھچکا" (Trump shock)، یعنی امریکی سکیورٹی چھتری کا واپس کھینچ لیا جانا، نیٹو کے ساتھ کئے وعدوں سے انحراف، اور مالی و عسکری بوجھ یورپ کے کندھوں پر ڈال دینا، یہ وہ تلخ حقیقت ہے جس کا مشاہدہ یورپ نے یوکرین کی جنگ کے دوران خود اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔

امریکہ پر انحصار کے حوالے سے اس دھچکے میں اس وقت مزید شدت آگئی جب امریکی ہتھیاروں پر یورپ کے حد سے زیادہ انحصار کا پردہ چاک ہوا؛ یہ عسکری انحصار اس سطح تک جا پہنچا تھا جہاں یورپ کی اسلحہ جاتی درآمدات کا 64 فیصد حصہ، بالخصوص ایوی ایشن کے شعبے میں، امریکہ سے آتا تھا۔

یورپ کی جانب سے اس بڑھتی ہوئی جنگی بیان بازی کے پسِ پردہ دراصل امریکی حفاظتی چھتری کے کھو جانے کا صدمہ اور امریکی اسلحے پر انحصار کا وہ بحران چھپا ہوا ہے جس کی ترسیل امریکی حکومتوں کی غیر یقینی تبدیلیوں اور امریکہ میں گہری سیاسی گروہ بندیوں کی وجہ سے شکوک و شبہات کا شکار ہو چکی ہے؛ اس کے یورپ پر مرتب ہونے والے اثرات نے یورپ کی اپنی اسٹریٹجک اور عسکری کمزوریوں کو پوری طرح بے نقاب کر دیا ہے۔

اس یورپی جنگی بیانیے کا بنیادی مقصد اور اصل ہدف یورپ کی خود مختار عسکری، صنعتی اور تکنیکی صلاحیتوں کی از سرِ نو تعمیر کرنا ہے۔ اس عمل کے لئے خطیر اور بھاری اخراجات درکار ہیں جو معاشرے پر زبردست بوجھ ڈالتے ہیں، اور یہ سب کچھ ایک ایسے ماحول میں ہو رہا ہے کہ جب یورپ کو دم گھونٹ دینے والے معاشی بحران، یورپ کے استعماری اثر و رسوخ کے دائرے میں کمی، گھٹتی ہوئی آمدنی اور بڑھتی ہوئی عوامی بے چینی کا سامنا ہے۔

یورپ اب یوکرین پر روس کی جنگ کو اپنی عسکری صنعت کی تعمیرِ نو، مینوفیکچرنگ اور ٹیکنالوجی کے شعبوں کو ترقی دینے اور اس کے بھاری اخراجات کا بوجھ معاشرے پر ڈالنے کے لئے ایک تاریخی موقع سمجھنے لگا ہے، اور اس سارے عمل کا جواز روس کی جانب سے یورپ کو اپنی بقا کے لئے لاحق سکیورٹی خطرے کو قرار دیا جا رہا ہے۔

نتیجتاً، یورپ کے دفاعی اخراجات میں غیر معمولی تیزی سے اضافہ ہوا ہے؛ نیٹو کے یورپی ارکان اور کینیڈا کے بنیادی دفاعی اخراجات میں صرف سال 2025ء کے دوران ہی تقریباً 20 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ اگرچہ روس کی طرف سے لاحق خطرہ حقیقی ہے،

تاہم یورپ کی از سرِ نو مسلح ہونے کی یہ مہم ان اسٹریٹجک، عسکری، صنعتی، سیاسی اور معاشی محرکات کے تحت بھی چلائی جارہی ہے جو براہِ راست روسی خطرے کی شدت سے قطع نظر اپنی الگ حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد "چین کا عنصر" سامنے آتا ہے، بالخصوص جس طرح چینی صنعت اور ٹیکنالوجی نے یورپ میں یلغار کی ہے، جس نے عملاً یورپ کو ایک چینی منڈی میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ چین کی معاشی پیش قدمی نے، جسے اس کی ضرورت سے زیادہ صنعتی پیداواری صلاحیت نے تقویت بخشی ہے، یورپ کے تجارتی خسارے کو سالانہ 360 ارب یورو تک پہنچا دیا ہے، جو کل یورپی درآمدات کا 22.3 فیصد بنتا ہے۔ اس صورتحال نے یورپ کے صنعتی اور تکنیکی بحران کو مزید گہرا کر دیا ہے، کیونکہ چین نے برقی گاڑیوں (EVs)، بیٹریوں، الیکٹرانکس، سافٹ ویئر، عمومی ٹیکنالوجی اور ماحول دوست توانائی (گرین انرجی) جیسے شعبوں میں خاصی اہم پیشرفت کی ہے اور گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ صرف 2026ء کی دوسری سہ ماہی میں، چین سے یورپی یونین کی درآمدات 153.6 ارب یورو تک پہنچ گئیں، جو کہ اس بلاک کے باہر سے ہونے والی درآمدات کا 21.9 فیصد ہیں۔ چین کے حوالے سے یورپ کا بحران اس وقت اور زیادہ سنگین ہو گیا جب چین کو برآمدات میں کمی اور وہاں سے درآمدات میں اضافے کے باعث یورپ کی صنعتی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں اور اس کے اہم صنعتی شعبوں کو شدید نقصان پہنچا۔ اس کی ایک نمایاں مثال جرمنی کی انتہائی اہم صنعت، یعنی آٹو موٹیو (گاڑیوں کی) صنعت کو درپیش شدید بحران ہے: صرف جولائی 2026ء میں جرمن گاڑیوں کی پیداوار میں 9.2 فیصد کمی واقع ہوئی، جبکہ سال 2025ء کے اختتام تک اس شعبے میں کام کرنے والے ایک لاکھ نو ہزار (109,000) سے زائد ملازمین کی نوکریاں ختم ہو چکی تھیں۔ اس صورتحال نے یورپی کمیشن کو مجبور کر دیا کہ وہ ان عدم توازنات کو دور کرنے اور یورپی یونین اور چین کے تعلقات میں باہمی برابری (reciprocity) کو یقینی بنانے کے حوالے سے کھل کر آواز اٹھائے۔

ان عدم توازنات کی بنیادی وجہ یورپی صنعتوں کا زوال اور پسماندگی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ الیکٹرک گاڑیوں، مائیکرو چپس اور سافٹ ویئر جیسی ٹیکنالوجیز میں جدت کا فقدان اور ترقی کا سست روی کا شکار ہونا ہے۔ یورپی یونین اور اس کی اہم ترین ریاستیں اپنی معیشتوں کی بحالی اور اپنے صنعتی و تکنیکی بنیادی ڈھانچے کی ترقی کو انتہائی اسٹریٹجک ضرورت قرار دیتی ہیں، جو چینی پیش قدمی کا مقابلہ کرنے اور امریکہ پر عسکری و تکنیکی انحصار کو کم کرنے کے لئے ناگزیر ہے۔ دفاعی صنعت اس کوشش کے لئے ایک بنیادی انجن کا کام دیتی ہے، جو یورپی صنعت اور ٹیکنالوجی کو آگے بڑھانے کے لئے ایک بنیادی تجربہ گاہ اور ورکشاپ کی حیثیت رکھتی ہے۔

در حقیقت، "چین کا عنصر"، اور اس سے پیدا ہونے والے چیلنجز، یورپ کی جانب سے ہونے والی اس پیش رفت اور یورپ کی عسکری، صنعتی اور تکنیکی صلاحیتوں کی تعمیر و ترقی کے حق میں اٹھنے والے تند و تیز بیانیے کے پیچھے ایک بنیادی محرک ہیں۔

تاہم، بیانیہ بہر حال بیانیہ ہی رہتا ہے، یعنی محض زبانی جمع خرچ۔ اصل چیلنج عملی اقدامات اور ایک منتشر و منقسم یورپ کی تلخ حقیقت کی عائد کردہ رکاوٹوں میں مضمر ہے: اس کے متضاد اور باہم متناقض اسٹریٹجک اور استعماری عزائم، اس کی بکھری ہوئی کوششیں، اس کے آسمان سے چھوتے ہوئے قرضے، اور ان سب سے بڑھ کر، یورپ کا فکری و تہذیبی دیوالیہ پن۔ یہ وہ پیچیدہ گرہ ہے جسے کھولنا یورپ، اور مجموعی طور پر پورے مغرب، کے لئے اگر ناممکن نہیں تو انتہائی دشوار ضرور ہے۔ یہ درحقیقت مغرب کے لئے نزع کا عالم اور سکرات کی کیفیت ہے؛ کوئی تعویذ یا تدبیر اس حتمی انجام کو ٹال نہیں سکتی۔

فہرست

پاکستان کے حکمرانوں نے امت کے دریاؤں کو ہندو دشمن کے حوالے کر دیا ہے، اور صرف خلافت کا نظام ہی انہیں واپس حاصل کرے گا!

محمد عبداللہ – مقبوضہ کشمیر

سال 1960ء میں ہونے والا سندھ طاس معاہدہ بھارت اور پاکستان کے درمیان پانی کی تقسیم کا ایک معاہدہ ہے جس میں عالمی بینک نے ثالثی کی تھی۔ یہ معاہدہ زندگی عطا کر دینے والی آبی وسائل کی ایک استعماری تقسیم تھی، جس کا مقصد استعماریت کے نتیجے میں وجود میں آنے والی ان دونوں قومی ریاستوں کو مغربی استعماری نظام کے اندر ہی رکھنا اور استعمار کی سیاسی تابع داری کے تحت رکھنا تھا۔

چوری شدہ لائف لائن: آخر پاکستان کے لیڈران نے بھارت کے آگے اپنے دریا کیسے سرنڈر کر دیئے

مورخہ 19 ستمبر، 1960ء کو کراچی میں ایوب خان کی حکومت نے واشنگٹن اور عالمی بینک کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے سندھ طاس معاہدے پر دستخط کیے۔ اس معاہدے نے پاکستان کو مغربی دریاؤں: سندھ، جہلم اور چناب پر "کنٹرول" دیا، جبکہ بھارت کو مشرقی دریاؤں: راوی، بیاس اور ستلج کے غیر محدود استعمال کے حقوق دے دیئے۔ تاہم سب سے اہم بات یہ تھی کہ بھارت کو مغربی دریاؤں پر "دریا کے قدرتی بہاؤ" پر ڈیم بنانے کا حق بھی دے دیا گیا۔

دریاؤں کی یہ تقسیم اسی وقت سے ہی ایک تباہی تھی جبکہ ابھی معاہدے کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی۔ بھارت نے جلد ہی مشرقی دریاؤں کو مکمل طور پر روک دیا۔ مشرقی دریاؤں پر بھارت کی جانب سے بنائے گئے ڈیموں، جو کہ ستلج دریا پر بھاکڑا، بیاس پر پونگ، اور راوی پر تھین یار نجیت ساگر ڈیموں نے ان دریاؤں کے بہاؤ کو تقریباً ختم ہی کر دیا۔ ان مشرقی دریاؤں کے روکے جانے سے پاکستان نے پانی کی ایک بہت بڑی مقدار کھو دی۔ یہ ایک غیر منصفانہ معاہدہ تھا اور امریکی امداد کی چمک دمک کے پردے میں سرنڈر کر دینے کے مترادف تھا۔ ایجنٹ حکمرانوں نے یہ سرنڈر اس لئے نہیں کیا کہ وہ کمزور تھیں بلکہ ان طاقتوں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے کیا جو اسلامی امت کو محض ایسے مہرے سمجھتی ہیں کہ جنہیں وہ اپنی مرضی کے مطابق چلاتی ہیں۔

یقیناً سندھ طاس پاکستان کے لئے ایک دھڑکتا ہوا دل ہے، جو سندھ طاس معاہدے کے تحت تین مغربی دریاؤں پر منحصر ہے۔ یہ آبی علاقہ ملک کی 80 فیصد سے زیادہ زرعی زمین کو سیراب کرتا ہے، زراعت کو سہارا دیتا ہے اور ملک کی پن بجلی (ہائیڈرو الیکٹرک توانائی) کا ایک اہم و بیشتر حصہ پیدا کرتا ہے۔ پاکستان کی 240 ملین آبادی میں سے تقریباً دو تہائی براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس آبی فراہمی پر انحصار کرتی ہے۔ بہر حال، معاہدہ کرنے کے بعد سے پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش میں تباہ کن کمی کے باعث صورتحال

مزید سنگین ہو گئی ہے؛ یہ گنجائش پانی کے اوسط بہاؤ کا بمشکل تقریباً 30 دن کے لئے ہی گزارہ ہے، جبکہ عالمی سفارشات 120 دن سے زیادہ کی ہیں۔ نیز یہ کہ، تربیلا، منگلا اور چشمہ کے ذخائر نے تہہ میں مٹی (گارا) جمع ہونے کی وجہ سے اپنی گنجائش کا 22 فیصد سے 37 فیصد تک کھو دیا ہے، اور مزید کمی متوقع ہے۔

فی کس پانی کا حصہ جو کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت 5,000 مکعب میٹر سے زیادہ تھا، اور تقسیم کے بعد سے آج تقریباً 1,200–1,000 مکعب میٹر رہ گیا ہے اور وہ بھی مکمل قلت کی حد کے قریب پہنچ چکا ہے۔

دہائیوں کا فریب اور غفلت

کئی دہائیوں تک ایک سیاہ باب جاری رہا جس میں غدار لیڈران یہ دعویٰ کر کے جھوٹ بولتے رہے کہ سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ نتیجتاً، دونوں ممالک کے بیچ بہت سے تنازعات کے بعد بھی یہ معاہدہ مکمل طور پر نافذ العمل رہا، حالانکہ ان شدید تنازعات میں 1965ء سے 1971ء تک کی جنگیں بھی شامل تھیں۔ اور پھر کارگل سے لے کر سرجیکل اسٹرائیکس کے کشیدہ حالات بھی آئے، لیکن یہ دریا بہتے رہے۔ تاہم یہ بودا اور بناوٹی دکھاوے کا پردہ اس وقت چاک ہو گیا جب 2019ء میں پلوامہ واقعہ ہوا، جس میں چالیس بھارتی فوجی مارے گئے اور ہندو قوم پرست حکومت نے ایک آبی جنگ کا اعلان کر دیا۔ ڈیٹا کا تبادلہ بند ہو گیا اور معاہدے میں ترمیم کے مطالبات جاری کر دیئے گئے۔

گرچہ پانی کی حتمی معطلی 2025ء میں ہوئی، لیکن غداری پہلے ہی 2019ء میں مہر بند ہو چکی تھی، جب پاکستان میں عمران خان اور باجوہ کی قیادت نے کچھ بھی اقدام نہ کرنے کا انتخاب کیا، جبکہ بھارت نے یکطرفہ طور پر آرٹیکل 370 کو منسوخ کر دیا تھا۔ بھارت ان تمام عالمی پابندیوں کو جن پر وہ عمل کرنا ہی نہیں چاہتا تھا، کوڑے دان میں پھینک رہا تھا، جبکہ پاکستان کی قیادت اقوام متحدہ، عالمی بینک اور مستقل ثالثی عدالت کے سامنے لاحاصل اور بے سود شکایات پیش کرنے میں ہی لگی رہی۔ بھارت نے کشمیر پر اپنا قبضہ اور تسلط مکمل کر لیا اور ڈیموں پر اپنی سلطنت کی تعمیر تیز کر دی؛ جبکہ پاکستان کے حکمران کھوکھلی شکایات ہی پیش کر رہے تھے، اور بھارت کنکریٹ ڈال کر ٹھوس اقدامات کر رہا تھا۔

بالادستی کے ڈیم: بھارت کی خلاف ورزیاں اور پانی کو ایک مہلک ہتھیار بنا دینا

05 اگست، 2019ء کو آرٹیکل 370 کی منسوخی کے بعد بھارت نے کشمیر پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ پھر اپریل 2025ء میں پہلگام واقعے کے بعد بھارت نے سندھ طاس معاہدے کو "معطلی" کی حالت میں ڈال دیا۔ بھارت نے طاقت کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے دریاؤں کے قدرتی بہاؤ منصوبوں کی پابندیوں سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ہندوتوا کے نظریاتی جنون سے متاثر ہو کر نئی دہلی نے

دریائے چناب پر بڑے پیمانے کے ذخیرۂ آب کے منصوبوں کا سیلاب برپا کر دیا، جو مجموعی طور پر بڑے پیمانے کے ایک حقیقی ڈیم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سرکاری پروپیگنڈا ان منصوبوں کو "دریا کے قدرتی بہاؤ" پر بنائے پن بجلی گھر (ہائیڈرو پاور اسٹیشن) قرار دیتا ہے، لیکن انجینئرنگ کا ڈیٹا ایک تباہ کن حقیقت کو ظاہر کرتا ہے: یہ بجلی گھر بڑے پیمانے پر آپریشنل ذخیرہ کرنے کی گنجائش کے ساتھ ڈیزائن کئے گئے ہیں، جس سے بھارت کو دریائے چناب کے بہاؤ کے دورانیہ پر مکمل کنٹرول فراہم ہو جاتا ہے، خاص طور پر موسم بہار میں فصلوں کی بوائی کے اہم موسم کے دوران جب پاکستان کو پانی کی ایک ایک بُوند کی ضرورت ہوتی ہے۔

بھارت کا یہ اعلان کہ معاہدے کو مؤثر طور پر "معطلی" کی حالت میں رکھا گیا ہے، سرکاری بیانات میں اس وقت باضابطہ طور پر پیش کیا گیا جب ان بھارتی فوجی حلقوں میں اس کا اظہار کیا گیا جنہیں "آپریشن سندور" کہا جاتا ہے۔ نریندر مودی کا یہ بیان کہ "خون اور پانی ایک ساتھ نہیں بہہ سکتے" محض ایک نعرہ نہیں تھا؛ یہ ایک سیاسی ہدایت تھی۔ بھارتی وزیر برائے آبی وسائل نے عوامی طور پر پاکستان کے لئے بھارت کے حصے کے پانی کے بہاؤ کو روکنے اور ان مشرقی دریاؤں کے تمام پانی کو موڑنے کے ارادے کا بھی اعلان کیا جو اب بھی کچھ بقایا بہاؤ رکھتے ہیں۔ اسی دوران بھارت نے مغربی دریاؤں پر تمام بڑے ذخیرۂ آب کے منصوبوں کو تیز کر دیا، مستقل سندھ کمیشن کے مذاکرات کو نظر انداز کیا اور دنیا بھر کی آنکھوں کے سامنے پاکستان کے خاموش رد عمل کو آزمایا۔

بھارت تیزی سے اپنی پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت اور سندھ کے پانیوں پر اپنا کنٹرول بڑھا رہا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں حکومت اور بھارتی کمپنیوں کے زیر کنٹرول ہائیڈرو پاور بجلی کی صلاحیت 3,540 میگاواٹ سے بڑھ کر 2026ء کے اختتام تک 5,000 میگاواٹ سے زیادہ ہو جائے گی، جبکہ 12,000 میگاواٹ تک پہنچنے کے عزائم ہیں۔ دریائے چناب پر چار بڑے منصوبوں میں تیزی لائی جا رہی ہے، جن میں 1,000 میگاواٹ پاکل دول، 624 میگاواٹ کیرو، 540 میگاواٹ کوار اور 850 میگاواٹ راتلی شامل ہیں، جبکہ دیگر منصوبوں میں برسر، اور کرتھائی- I & II، 1 اور 2 شامل ہیں۔ بگلیہار اور سلال منصوبوں میں بھی بہتری لائی جا رہی ہے، اور 1,856 میگاواٹ ساول کوٹ اور دولہستی اسٹیج II جیسے نئے منصوبے بھی نافذ کیے جا رہے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ پانی کی تہہ میں سے مٹی (گارا) نکالنے کی کارروائیاں اور دیگر ڈیزائن میں تبدیلیاں بھی کی جا رہی ہیں تاکہ کنٹرول کو زیادہ سے زیادہ کیا جا سکے۔ چناب اور جہلم کی معاون نہروں پر بڑے ذخیرۂ آب کے ڈیموں کے منصوبے بھی ہیں، جو قدرتی بہاؤ کے منصوبوں سے کہیں آگے ہیں، اور تقریباً 60 ارب ڈالر کی متوقع سرمایہ کاری سے ذخیرہ کرنے کی مدت کو 15 دن سے بڑھا کر 55 دن سے زیادہ کرنے کا مقصد رکھتے ہیں۔ ان منصوبوں سے بھارت تقریباً دو ماہ تک پانی کے قدرتی بہاؤ کو روک سکے گا، جو موسم بہار کی ربیع اور خزاں کی خریف فصلوں کے دوران پاکستان کی فصلوں کو تباہ کر دے گا۔

اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ بھارت ہماچل پردیش کے لاہول–اسپتی خطے میں چناب اور بیاس کو ملانے والی سرنگ کے منصوبے پر بھی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس منصوبے میں 8.7 کلومیٹر طویل زیر زمین سرنگ اور اضافی پانی کو دریائے چندرا سے موڑنے کے لئے ایک رکاوٹ شامل ہے—دریائے چندر ان بالائی معاون نہروں میں سے ایک ہے جو تندی کے مقام پر مل کر دریائے چناب بناتی ہیں—اور اس پانی کو موڑ کر مغرب کی طرف دریائے بیاس کے طاس میں منتقل کیا جائے گا، جو کہ ایک مشرقی دریا ہے اور مکمل طور پر بھارت کے لئے مختص ہے۔ اس بنیادی ڈھانچے کی لاگت کا تخمینہ 23,520 ملین بھارتی روپے ہے۔ یہ بنیادی ڈھانچہ مؤثر طور پر پانی کو مغربی دریاؤں کے نظام سے باہر منتقل کر دیتا ہے، اور اس معاہدے کی شق کو نظر انداز کرتا ہے جو پاکستان کے لئے پانی کے بہاؤ کو برقرار رکھنے سے متعلق ہے۔ بھارت نے سندھ طاس معاہدے میں موجود اس خامی سے فائدہ اٹھایا اور اسے کشن گنگا منصوبے میں مکمل طور پر استعمال کیا، جہاں اس نے دریا کا رخ موڑنے کے ساتھ ساتھ ذخیرہ کرنے کی قابل ذکر گنجائش تعمیر کی جس نے پاکستان کے نیلم–جہلم ہائیڈرو پاور پلانٹ تک پانی کے بہاؤ کو کم کر دیا۔ بھارت کے اس منصوبے کو بھی پاکستان کی جانب سے کسی رد عمل کی خواہش کو جانچنے کے لئے استعمال کیا گیا، لیکن پاکستان کا رد عمل صرف کاغذات اور درخواستوں تک ہی محدود رہا۔ سلال ڈیم پر 2,680 ملین بھارتی روپے کی لاگت سے تلچھٹ موڑنے والی سرنگ بھارت کے اس کنٹرول کو مزید بڑھاتی ہے۔ یہ موڑ کشن گنگا منصوبے جیسی پرانی مثالوں کی طرح ہی ہے، اور پاکستان خاموش ہی بنا رہا ہے۔

بھارت کی جانب سے یہ منصوبے پر امن ہائیڈرو پاور پراجیکٹ نہیں ہیں بلکہ پانی کی جنگ کے لئے "اسٹریٹجک ہتھیار" ہیں: یعنی تباہی مچانے کے لئے سیلابی ریلے چھوڑ دینا، خشک موسموں میں قحط پیدا کرنے کے لئے پانی روک دینا، اور مستقبل کے مذاکرات میں پانی کو سودے بازی کے ایک آلے کے طور پر استعمال کرنا۔ کشمیر کے آبی ذرائع، جو 2019ء سے براہ راست استعماری انتظام کے تحت ہیں، بھارت کو بالائی علاقوں سے—لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے—پاکستان کو زیر کرنے کے لئے کنٹرول کی پوزیشن فراہم کرتے ہیں، جو کہ زیریں جانب واقع ہے۔ بھارت اپنی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت میں بھی تیزی سے اضافہ کر رہا ہے۔ اگرچہ موجودہ بنیادی ڈھانچہ اسے پانی کو مکمل طور پر روکنے کی صلاحیت محدود کرتا ہے، لیکن بہر حال بھارت کے عزائم کی سمت واضح ہے: مجموعی منصوبے پانی کے بہاؤ کو زیادہ منظم کرنے کے قابل بنائیں گے، بارشوں کے موسم میں سیلاب چھوڑ دیں گے یا خشک سالی کے دوران پانی روک دیں گے۔ اور یہ "آبی جنگ" کی تیاری ہے—یعنی پانی کو مستقبل کی سودے بازی، پریشر ڈالنے اور محکومی کے ایک آلے کے طور پر استعمال کرنا۔ بھارت کی جانب سے دریاؤں میں بغیر اطلاع پانی چھوڑ دینے سے پاکستان میں پہلے ہی سیلاب آ چکے ہیں، جبکہ ضرورت کے دنوں میں پانی کے بہاؤ کو روک دینے سے خشک سالی کا خطرہ پیدا ہوتا رہا ہے۔

بھارت کا سندھ طاس معاہدے پر عمل درآمد میں تعاون کرنے کا کوئی ارادہ نہیں؛ بلکہ وہ ایک سوچے سمجھے، خاموش طریقے سے اس معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ بھارت خود معاہدے میں موجود ہر خامی کے ساتھ ساتھ پاکستان کی قیادت کے کھوکھلے بیانات سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اور مغربی دریاؤں کو غلامی کے آلات میں تبدیل کرتے ہوئے، ان پر 30 سے زیادہ منصوبے تعمیر کر چکا ہے۔ 2025ء میں پہلگام واقعے کے بعد بھارت نے دانستہ طور پر اپنے ذخائر خالی کیے، جس کے نتیجے میں آزاد کشمیر کے دیہاتوں میں سیلاب آگیا۔ ہندو بھارتیہ جنتا پارٹی (BJP) حکومت کھلے عام دھمکی دیتی رہی ہے کہ جب چاہے پانی کا بہاؤ روک دے گی۔ یوں اس طرح بھارت کے یہ ڈیم انجینئرنگ کے منصوبے نہیں ہیں؛ یہ ہندوتوا کی نئی تلواریں ہیں۔

پاکستانی قیادت کی لاپرواہی

اسلام آباد کے نام نہاد لیڈران کا ردعمل محض کھوکھلے بیانات، پریس ریلیزوں اور انہی مغربی اداروں سے اپیلوں کے سوا کچھ نہیں جنہیں بھارت کھلے عام نظر انداز کرتا رہا ہے۔ اس عالمی برادری سے کی گئی ایسی اپیلوں کی کیا حیثیت ہے جس کا سرغنہ وہ امریکہ ہے، جو اس ہندو ریاست کا اولین اتحادی ہے؟ پاکستان کی وزارت خارجہ کا ترجمان "پانی کو ہتھیار بنانے"، سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزیوں اور "سنگین نتائج" کی بات تو کرتا ہے، اور ایک یقینی ردعمل سے خبردار بھی کرتا ہے، لیکن وہ کوئی ٹھوس اقدام پیش نہیں کرتا۔

پاکستان کی قیادت نے شکایات درج کرانے کے فن کو عدالتی محرروں کی طرح کامل کر لیا ہے، جبکہ زندگی کی شہ رگ کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی قیادت بگلیہار ثالثی کا مقدمہ ہار گئی اور قانونی نوٹس بھی مسترد کر دیئے گئے۔ پاکستان کے تمام ردعمل واشنگٹن اور عالمی بینک کو پیش کئے جانے والے لاحاصل اور بے سود سفارتی مراسلات تک ہی محدود ہیں۔ پاکستان نے اپنی بے عملی اور کمپرومائز کے باعث مقبوضہ کشمیر کو سرنڈر کر دیا، اور اب وہ ان پانیوں کو بھی سرنڈر کرنے کی تیاری کر رہے ہیں جن پر پاکستان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ کشن گنگا دریا کا رخ موڑنے کا منصوبہ تو صرف آغاز ہے۔ بھارت 70–80 فیصد بہاؤ موڑنے کا منصوبہ رکھتا ہے، جس سے پاکستان ایک صحرا میں تبدیل ہو جائے گا۔ لہٰذا کشمیر محض ایک متنازع علاقہ نہیں؛ یہ امت کی زندگی کی شہ رگ ہے۔ اور مقبوضہ سرزمین پر تعمیر ہونے والا ہر ڈیم مسلمانوں کے خون کی چوری کے مترادف ہے۔

پاکستان کی موجودہ فوجی قیادت خالی خولی بیانات سے بڑھ کر کچھ نہیں کرے گی، اور بھارت یہ بات بخوبی جانتا ہے۔ کیونکہ پاکستان کی اس قیادت کے مفادات امریکہ اور اس "ہارڈ اسٹیٹ" کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جو واشنگٹن کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔ یہ غداری اس وقت مکمل ہو گی جب لاہور میں نلکے خشک ہو جائیں گے، اور ملتان کے کھیت گرد سے ڈھکی، بنجر اور پھٹی ہوئی زمین میں تبدیل ہو جائیں گے۔ تب جا کر امت آخرکار سمجھ جائے گی کہ آزادی ایجنٹوں کو کرائے پر نہیں دی جا سکتی۔ لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی

ہو گی۔ آج یہ موقع ان لوگوں کو جھپٹ لینا چاہیے جن کے پاس 'عقیدہ اور تلوار' ہے۔ سندھ طاس معاہدہ ایک استعماری پھندا تھا جسے غدار ہاتھوں نے کس دیا؛ ڈیم اس گرہ کو مزید کس رہے ہیں، درخواستیں ناکام ہو چکی ہیں، اور ایجنٹوں کو ہٹانا ہی ہو گا۔

اے پاکستان کے مسلمانوں اور اس کی مسلح افواج!

تمہارے حکمرانوں نے ان دریاؤں کو بھی سرنڈر کر دیا ہے جو کہ تمہاری اولادوں کی روزی کا ذریعہ ہیں۔ ڈیم بڑھتے جا رہے ہیں اور پھندا تنگ ہو رہا ہے۔ لہٰذا اپنی امیدیں ان حکمرانوں کی بے سود درخواستوں یا استعماری ثالثوں سے وابستہ نہ کرو۔ وہ تو محض وقت خرید رہے ہیں تاکہ دشمن کو تم پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ وہ حکمران تمہیں الجھائے رکھتے ہیں جبکہ دشمن ہماری زندگی کی شہ رگیں کاٹ رہا ہے۔ امریکی نائب صدر کے دباؤ میں آ کر ان حکمرانوں نے مئی 2025ء میں جنگ بندی کا حکم دے دیا، عین اس وقت جب پاکستانی فضائیہ فضائی برتری حاصل کر چکی تھی اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی حتمی ممکن ہو گئی تھی۔

کیا 1952ء کے آرمی ایکٹ میں آرٹیکل 24 شامل نہیں ہے، جو فوجی جرائم سے متعلق ہے اور یہ مقرر کرتا ہے کہ "براہ راست یا بالواسطہ دشمن کی مدد کرنا یا اسے سہولت فراہم کرنا"—ایسے جرائم ہیں جن کی سزا موت ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے دین کی طرف لوٹ آؤ۔ ان ایجنٹوں کو ہٹا دو، اور مسلمانوں کی ڈھال—خلافت—قائم کرو، جو ہمیں متحد کرے گی، ہماری طاقت کو یکجا کرے گی، ہمارے پانیوں کی حفاظت کرے گی، کشمیر کو آزاد کرائے گی اور امت کی عزت و وقار کو بحال کرے گی۔ بے شک دریا ہماری زندگی کی شہ رگ ہیں، لیکن ہمارا ایمان ہماری حقیقی طاقت ہے۔ لہٰذا یہ لازم ہے کہ خلافت کی اس پکار کو دریائے سندھ سے زیادہ طاقتور ہو کر بہنے دو، جو غداری کو اکھاڑ پھینکے اور فتح کے کھیتوں کو سیراب کر دے۔ اور عمل کرنے کا وقت ابھی ہے۔ اور فتح صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ تب اسلام اور مسلمانوں کو عزت ملے گی، اور کفر اور کفار ذلیل و رسوا ہو جائیں گے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا،

﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾

"اور اس دن مومن خوش ہوں گے * اللہ کی مدد سے۔ وہ جسے چاہتا ہے فتح عطا کرتا ہے، اور وہ زبردست، نہایت رحم کرنے والا ہے"

[سورۃ الروم؛ 30:4-5]

فہرست

قرآنِ کریم کے ساتھ: فاسقین (کھلی نافرمانی کرنے والوں) کی خصلتیں!

خلیفۃ محمد–الأردن

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلاَّ الْفَاسِقِينَ * الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ "اور وہ اس سے فاسقوں (نافرمانوں) کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں، اور جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں؛ یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں" [سورۃ البقرۃ؛2:26-27]۔

گزشتہ ایک شمارے میں ہم نے سورۃ البقرہ کی چھبیسویں آیت پر غور کیا تھا، جس کا اختتام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان پر ہوتا ہے، ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلاَّ الْفَاسِقِينَ﴾ "اور وہ اس کے ذریعے کسی کو گمراہ نہیں کرتا سوائے فاسقین کے" [سورۃ البقرۃ؛ 2:26]۔ ہم نے وضاحت کی تھی کہ "فسق" کا مفہوم کسی اصل حالت سے نکل جانا ہے، جیسے ایک چوزہ انڈے کے چھلکے کو توڑ کر باہر نکل آتا ہے۔ شریعت کے احکام سے انحراف کرنا فسق ہے۔ چنانچہ جن سرکشوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی نشانیوں اور مثالوں کے ذریعے گمراہ کرتا ہے، وہ وہی ہیں جو اس کے مقرر کردہ احکام سے نکل جاتے ہیں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ گمراہوں کو گمراہی پر یا ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت پر مجبور کرتا ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دنیا میں ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ دیتا ہے۔ اور اسی لئے جو شخص اللہ کے سیدھے راستے پر ہدایت کا انتخاب کرتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے لئے ہدایت کے اسباب آسان کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شرعی احکام سے ہٹ کر گمراہی کا انتخاب کرتا ہے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے لئے گمراہی کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔

اور اس شمارے میں ہم سورۃ البقرہ کی ستائیسویں آیت پر غور کرتے ہیں، جس میں منافقین کی بعض خصلتیں اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔ ان میں پہلی خصلت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ "نقض" (توڑنا) کا مطلب ہے کسی چیز کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دینا اور عہد کر لینے کے بعد اسے منسوخ کر دینا۔ "عہد" سے مراد باہم متفق ہونا، معاہدہ یا پیمان ہے۔ باہمی معاہدہ اور عہد و اقرار دونوں ایک سمجھوتے کو ظاہر کرتے ہیں۔ جہاں تک "میثاق" (پختہ عہد) کا تعلق ہے، تو یہ عام عہد کے مقابلے میں زیادہ خاص اور مؤکد ہوتا ہے، یعنی ایک زیادہ مضبوط اور پابند کرنے والی توثیق۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عہد عام ہے اور اللہ کے تمام عہود اس میں شامل ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان عہود کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنی مخلوق سے لئے، اور ان پر لازم کیا کہ وہ انہیں پورا کریں اور توڑیں نہیں۔ اس کی ایک مثال اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، ﴿وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتَ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى﴾ "اور اس نے انہیں خود ان پر گواہ بنایا (اور پوچھا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں (کیوں نہیں)" [سورۃ الاعراف؛ 7:172]۔ اللہ نے یہ عہد آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے لیا، اور ان سے تقاضا کیا کہ وہ اپنی اس فطرت (فطرة) کی بنیاد پر اس کی ربوبیت کا اقرار کریں جو اس نے ان میں رکھی ہے، اور جس فطرت کی طبع میں عاجزی اور اس (سبحانہ وتعالیٰ) کی طرف کامل احتیاج ہے۔ اور ان عہود میں انبیاء سے لیا گیا وہ عہد بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾ "اور (اے محمد ﷺ!) یاد کیجیے جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا، اور آپ سے بھی، اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا" [سورۃ الاحزاب؛ 33:7]۔ اور انہی عہود میں وہ پختہ عہد بھی ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہلِ کتاب سے لیا کہ وہ کتاب کو لوگوں کے سامنے واضح کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿إِذْ أَخَذَ اللّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلاَ تَكْتُمُونَهُ﴾ "اور یاد کرو جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی تھی کہ تم اسے ضرور لوگوں کے سامنے واضح کرو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے" [سورۃ آل عمران؛ 3:187]۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عہد میں اپنے بندوں کے لئے اس کے احکام اور ممانعتیں بھی شامل ہیں، جو سمع واطاعت کا تقاضا کرتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ "اور ہم نے اس سے پہلے آدم علیہ السلام سے عہد لیا تھا، مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہ پایا" [سورۃ طٰہٰ؛ 20:115]، یعنی ہم نے انہیں حکم دیا اور منع کیا، مگر وہ بھول گئے اور نافرمانی کر بیٹھے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ "اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور اس کے اس عہد کو بھی جو تم نے اس سے باندھا تھا، جب تم نے کہا تھا: ہم نے سنا اور مان لیا" [سورۃ المائدہ؛ 5:7]۔ پس وہ عہد جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مومنوں سے محمد ﷺ کی رسالت کے بارے میں لیا، وہ اس کے احکام اور ممانعتیں ہیں جو اس پر ایمان لانے کے بعد سننے اور ماننے کا تقاضا کرتی ہیں۔

چنانچہ فاسقین کی سب سے نمایاں خصلت اللہ کے عہد کو توڑ دینا ہے: اس گواہی کے بعد کفر کرنا جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں خود ان کے خلاف گواہ بنایا تھا، اور اس کے بعد بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی طرف رسول ﷺ کو بھیجا تاکہ وہ ان تک اس کے احکام اور ممانعتیں واضح پہنچا دیں۔ فاسقین کی اس خصلت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام کی نافرمانی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حرام کردہ

چیزوں کا ارتکاب بھی شامل ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کفر بھی فسق ہے اور اس کے احکام کی نافرمانی بھی فسق ہے۔ فاسقین وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کے راستوں میں سے ایسا راستہ اختیار کیا جو ان کے لئے گمراہی کی سزا میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔ قرآنِ مجید کے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان خصلتوں کے حامل فاسقین سے مراد یہود ہیں۔ تاہم زیادہ درست رائے یہ ہے کہ اس میں تمام گمراہ اور بگڑے ہوئے لوگ عمومی طور پر شامل ہیں، اگرچہ آیت یہود اور مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہو، کیونکہ قاعدہ ہے، (العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب) "اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے، سبب کی خصوصیت کا نہیں"۔ گمراہ ہو جانے کے حوالے سے شرعی حکم مشتق لفظ "فاسقین" کے ساتھ جڑا ہوا ہے، جو اسمِ فاعل ہے، اور اصولِ فقہ میں طے شدہ ہے کہ کسی حکم کو مشتق سے وابستہ کرنا اس کے ماخذِ اشتقاق کے علت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ماخذِ اشتقاق "فسق" (انحراف) ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو اس خصلت سے متصف ہو، وہ گمراہی کی سزا میں اضافے کا مستحق ہے، اور اس میں یہود کے ساتھ ساتھ غیر یہود بھی شامل ہیں۔

جہاں تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان، ﴿وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ﴾ "اور وہ اسے کاٹتے ہیں جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے" [سورۃ البقرۃ؛ 2:27] کا تعلق ہے، تو یہ گمراہی کے مستحق فاسقین کی دوسری خصلت ہے، یعنی یہ کہ وہ اسے منقطع کرتے ہیں جسے جوڑنے کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور جسے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے وہ عام ہے، کیونکہ "ما" یعنی "جو کچھ" اسمِ موصول ہے جو لغت میں عموم کے الفاظ میں سے ہے۔ چنانچہ اس میں صلہ رحمی، رشتہ داروں سے تعلق رکھنا، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، پڑوسیوں کے ساتھ نیکی، مہمان کی تکریم، اور وہ سب کچھ شامل ہے جس میں تعلق جوڑنے کا حکم ہے۔ اس حکم میں اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ کی اطاعت کے ذریعے اس کے ساتھ تعلق، اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ذریعے آپ ﷺ کے ساتھ تعلق بھی شامل ہے۔ لہٰذا جو شخص جان بوجھ کر، اپنے فعل کو جانتے ہوئے، کسی بھی ایسی چیز کو کاٹے جسے جوڑنے کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ گمراہی کے مستحق کھلے نافرمانوں میں سے شامل ہے۔

جہاں تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان، ﴿وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ "اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں" کا تعلق ہے، تو عربی لغت میں فساد (فسد) کا بنیادی مفہوم مقصد کا ناکام ہو جانا اور فائدے کا جاتا رہنا ہے، اور اگر اس میں نقصان بھی شامل ہو تو بات اور بھی سخت ہو جاتی ہے۔ اس میں دوسروں کو نقصان پہنچانا شامل ہے، خواہ قول سے ہو یا فعل سے۔ اس میں شرک بھی شامل ہے، کیونکہ وہ فطرت (فطرة) کو بگاڑ دیتا ہے اور انسان کو اس راہ سے ہٹا دیتا ہے جس پر اسے ہونا چاہیے۔ نیز اس میں نافرمانیاں کرنے والے تمام اعمال بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ہر فساد کرنے والا ان فاسقین میں سے ہے جو گمراہی (إضلال) کے مستحق ہیں۔

جہاں تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان، ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ "یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں" کا تعلق ہے، تو یہ ان صفات یا ان میں سے بعض کے حامل لوگوں کو خسارے کی حالت میں بتاتا ہے۔ طبری نے بیان کیا، (الخاسرون: جمع خاسر، وهم الناقصون أنفسهم وحظوظهم بمعصيتهم اللهَ من رحمته، كما يخسر الرجل في تجارته؛ بأنْ يُوضَعَ من رأس ماله في بيعه، وكذلك الكافر والمنافق خسر بحرمان الله إياه رحمتَه) "خاسرون خاسر کی جمع ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کرکے اپنی جانوں کو اور اس کی رحمت میں اپنے حصوں کو گھٹالیا، بالکل اسی طرح جیسے کوئی آدمی اپنی تجارت میں نقصان اٹھاتا ہے جب اس کے سودے میں اس کا سرمایہ کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کافر اور منافق بھی اس لئے نقصان اٹھاتے ہیں کہ اللہ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے"۔

قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر ان صفات کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ ان میں سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے، ﴿وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَآ أَمَرَ اللهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الأَرْضِ أُوْلَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ "اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں، اور جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، انہی کے لئے لعنت ہے اور انہی کے لئے برا ٹھکانا ہے" [سورۃ الرعد؛ 13:25]۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے لئے لعنت ہے اور برا ٹھکانا ہے، اور لعنت اور برے ٹھکانے میں ایسا خسارہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔ اس کے برعکس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے جوڑتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے، ﴿أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ* الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَلاَ يِنقُضُونَ الْمِيثَاقَ* وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ أَن يُوصَلَ﴾ "تو کیا جو شخص یہ جانتا ہے کہ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں * وہ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پختہ عہد کو نہیں توڑتے * اور جو اسے جوڑتے ہیں جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے" [سورۃ الرعد؛ 13:19-21]۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کی تعریف کی اور انہیں اچھے انجام کا وعدہ دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا، ﴿أُوْلَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ* جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالمَلاَئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ* سَلاَمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ "انہی کے لئے آخرت کا اچھا انجام ہے * ہمیشہ رہنے والے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباؤ اجداد، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی۔ اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے * (اور کہیں گے:) تم پر سلامتی ہو اس صبر کے بدلے جو تم نے کیا، تو کیا ہی خوب ہے آخرت کا گھر" [سورۃ الرعد؛ 13:22-24]۔

اور ہم قرآنِ کریم کے ساتھ اپنی اس گفتگو کا اختتام اس بات کی نشاندہی پر کرتے ہیں کہ (اللہ کے ساتھ) اپنے عہد وپیمان کو سب سے زیادہ بار بار توڑنے والے کون ہیں، تو وہ یہود ہی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر ان کے بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ عہد کر کے توڑنے والے ہیں اور اس روش کو دہراتے ہیں۔ ان میں سے ایک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، ﴿**أَوَكُلَّمَا عَاهَدُواْ عَهْداً نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ**﴾ "کیا یہ بات نہیں کہ جب بھی انہوں نے کوئی عہد کیا ان میں سے ایک فریق نے عہد شکنی کی بلکہ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے" [سورۃ البقرۃ؛ 2:100]۔ یہود کی موجودہ دغا بازی، دھوکہ دہی اور فریب کاری اسی بات کی گواہی دیتی ہے۔

فہرست

مشرقِ وسطی میں پاکستان کو سونپے گئے کردار کا تجزیہ

مصعب عمیر، ولایہ پاکستان

سوال 1: پاکستان ایران کے سلسلے میں ایک ثالث کے طور پر اپنے کردار اور حوثیوں کے معاملے میں سعودی عرب کے ساتھ اپنی صف بندی کے درمیان کیسے ہم آہنگی پیدا کر رہا ہے؟

پاکستان کے حکمرانوں نے ایران اور سعودی عرب کے ساتھ اپنے کردار کو امریکی مفادات کی بنیاد پر ہم آہنگ کیا ہے، نہ کہ "قومی مفاد" یا مسلمانوں اور اسلام کے مفادات کی بنیاد پر۔

ایران اور امریکہ کے درمیان ثالثی کا مقصد ٹرمپ کو ایران کے ساتھ جنگ کی دلدل میں پھنسنے کے بعد راہِ فرار فراہم کرنا تھا۔ جبکہ حوثیوں کے خلاف سعودی عرب کے ساتھ صف بندی کا مقصد، یمن میں ایران کے فرنٹ (پراکسیز) یعنی حوثیوں پر دباؤ کے ذریعے ٹرمپ کو ایران کے خلاف امریکی اثر و رسوخ اور بالادستی فراہم کرنا ہے۔

اگر پاکستان کے حکمرانوں نے اپنا کردار قومی مفاد کی بنیاد پر طے کیا ہوتا، تو وہ حوثیوں اور سعودی عرب کے درمیان ثالثی کرتے۔ پاکستان کے حکمران ثالثی کے لیے یمن اور سعودی عرب کے درمیان مسلسل سفر میں مصروف ہوتے، جس طرح وہ ایران اور امریکہ کے درمیان سفر کرتے رہے ہیں۔

اگر پاکستان کے حکمرانوں نے مسلمانوں اور اسلام کے مفادات کی بنیاد پر اپنے کردار کی حکمتِ عملی مرتب کی ہوتی، تو وہ شروع ہی سے ایران کا ساتھ دیتے تاکہ امریکہ کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا جا سکے۔ درحقیقت، دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے جب سے امریکہ نے مداخلت شروع کی ہے، وہ خود مسلم دنیا کے اندر عدم استحکام اور جنگوں کا بنیادی ذریعہ رہا ہے۔

سوال 2: پاکستان نے حوثیوں اور سعودی عرب کے درمیان ثالث کے طور پر کردار کیوں ادا نہیں کیا؟

پاکستان کے حکمرانوں نے حوثیوں اور سعودی عرب کے درمیان ثالثی اس لیے نہیں کی کیونکہ ایسا کرنا امریکہ کے مفاد میں نہیں ہے۔ امریکی چاہتا ہے کہ سعودی عرب اور حوثیوں کے درمیان طویل مدتی تنازع جاری رہے تاکہ طویل المدت بنیادوں پر ایران پر دباؤ برقرار رکھا جا سکے۔

جہاں تک قلیل المدتی مقصد کا تعلق ہے، امریکی خود یمن کے اندر حوثیوں کی توسیع و پیش قدمی چاہتا تھا تاکہ ان دھڑوں کو بے دخل کیا جا سکے جن کے تعلقات متحدہ عرب امارات اور اس کے آقا برطانیہ سے ہیں — جو یمن کا پرانا استعماری غاصب ہے۔ اس کے علاوہ، امریکہ نے اس پیش قدمی کی اجازت ایران کے لیے ایک ترغیب کے طور پر دی تاکہ وہ اپنی خود مختاری ترک کر دے اور امریکہ کے ساتھ اطاعت کی بنیاد پر معاملات کرے۔

چنانچہ امریکیوں نے بن سلمان کو حوثیوں کے خلاف کشیدگی بڑھانے کا حکم دیا، لیکن جب حوثیوں نے سعودی عرب کے اندر حملوں کے ساتھ جوابی کارروائی کی تو امریکہ نے بن سلمان کی کوئی مدد نہیں کی۔ امریکہ نے عمانی سُلطنت میں حوثیوں کے ساتھ اپنے جہازوں اور اثاثوں کی حفاظت کے لیے ایک معاہدہ بھی کیا۔

سوال 3: اس انداز میں مداخلت کرنے سے پاکستان کو کیا حاصل ہو گا؟

سعودی عرب کے ساتھ صف بندی سے پاکستان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا، بلکہ اس سے صرف پاکستان کے حکمرانوں کو فائدہ پہنچے گا۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، اسے ایک ایسے علاقائی تنازع میں گھسیٹا جا رہا ہے جو سالوں نہیں تو مہینوں تک جاری رہے گا، جس میں اسے عسکری اور معاشی طور پر بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔ مسلمان مسلمانوں کو قتل کریں گے تاکہ حقیقی دشمن، یعنی یہودی وجود اور امریکی صلیبی تمام مسلم ریاستوں پر اپنا تسلط قائم کر سکیں۔ مسلم ریاستیں ایک ایسے وقت میں علاقائی تنازع پر اخراجات کریں گی جب ان کی معیشتیں زوال پذیر ہیں اور سرمایاداریت واستعمار کے بوجھ تلے تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہیں۔

جہاں تک پاکستان کے حکمرانوں کا تعلق ہے، وہ عوامی حمایت کے بجائے امریکہ کی بیرونی حمایت کی بنیاد پر اقتدار سے چمٹے ہوئے ہیں۔ درحقیقت، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امریکہ کی جنگ میں اس کی ایجنٹی کرنے اور آلہ کار بننے کے باعث وہ اندرونی عوامی حمایت کھو رہے ہیں، جس کی وجہ سے وہ اپنے آقا ٹرمپ سے اور بھی مضبوطی سے چمٹ رہے ہیں۔

سوال 4: کیا سہ فریقی معاہدہ پابند کردہ اور محدود دائرہ کار کا حامل ہے؟

سہ فریقی معاہدے —مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے— کی سفارتی زبان ایک دفاعی معاہدے کی ہے۔ لہٰذا لفظی اعتبار سے یہ محدود اور پابند کن ہے، لیکن عملی طور پر یہ امریکہ کو ان تینوں ریاستوں کی افواج کو استعمال کرتے ہوئے ایران اور اس کے فرنٹ (پراکسیز) کے خلاف لڑنے کی لچک فراہم کرتا ہے۔ پاکستان کے حکمران پہلے ہی یہ دعویٰ کر کے جنگ میں شامل ہونے کا ایک بہانہ فراہم کر چکے ہیں کہ وہ حرمین شریفین کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔

سوال 5: دوطرفہ معاہدے کی موجودگی کے باوجود پاکستان نے ماضی میں سعودی عرب کے دفاع کے لیے مداخلت کیوں نہیں کی؟

28 فروری 2026ء کو ایران پر امریکی حملے سے پہلے امریکہ کو ایسی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ پاکستان سعودی عرب کا دفاع کرے۔ سعودی عرب اور یمن کے درمیان تنازع دائرہ کار اور علاقے کے اعتبار سے محدود تھا۔ جہاں تک ایران کا تعلق ہے، وہ ایک سیٹلائٹ ریاست کی حیثیت سے امریکی خارجہ پالیسی کے مدار میں رہا اور اس نے حوثیوں کو کشیدگی بڑھانے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ امریکہ نے اپنے اسٹریٹجک اہداف حاصل کرنے کے لیے کامیابی کے ساتھ وہ ماحول تیار کیا جسے وہ کم شدت والا تنازع (Low-intensity conflict) کہتا ہے۔

یہ سب کچھ اس وقت بدل گیا جب ٹرمپ نے ایران پر جنگ کی غلط بساط بچھائی اور اس کی قیادت کو قتل کر دیا۔ نئی قیادت نے امریکہ سے مکمل خود مختاری کا راستہ اختیار کیا، جو کہ اس اطاعت گزاری سے بہت دور تھا جو ٹرمپ کا ہدف تھا۔ چنانچہ اب ٹرمپ ایران کو رام کرنے کے لیے مذاکرات کی ترغیب (carrot) اور مسلم دنیا کی سب سے طاقتور ریاست پاکستان کو لاٹھی (stick) کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔

سوال 6: کیا پاکستان خلیجی مالی امداد کی اپنی ضرورت اور ایران کی تحلیل و تفریق کے خوف کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟

جی نہیں۔ وہ ایسی کوئی کوشش نہیں کر رہا، اگرچہ اس کے حکمران ایسا کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

ٹرمپ مسلم ریاستوں کے درمیان جس جنگ کو ہوا دے رہا ہے، وہ تمام مسلم ریاستوں کی سلامتی اور استحکام کے لیے خطرہ ہے۔ ٹرمپ کے اہم مشیر ٹام بیرک نے مشرقِ وسطیٰ کے لیے جس ویژن کا اعلان کیا ہے، وہ ایک نئے سائیکس-پیکوٹ کے طور پر موجودہ ریاستوں کی مزید تقسیم پر مبنی ہے۔ جنگ اور تقسیم کے ذریعے مسلم ریاستوں کا کمزور ہونا صرف امریکہ کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

خلیجی ریاستوں کے معاملے میں، ٹرمپ پہلے ہی ان کی دولت لوٹ چکا ہے اور مسلسل لوٹ رہا ہے۔

ایران کے معاملے میں، ٹرمپ نے اسے مکمل تباہی و نابودی کی دھمکی دی ہے۔

اگر پاکستان کے حکمران واقعی خلیج کی دولت اور ایران کی طاقت کی قدر کرتے، تو وہ امریکی جنگ اور لوٹ مار کے مقابلے میں تمام دیگر مسلم ریاستوں کو اپنے فرمان کے تحت یکجا کرنے کے لیے خلافتِ راشدہ کے قیام کا اعلان کرتے۔

سوال 7: کیا پاکستان اور ترکیہ حوثیوں کے حملوں کو روکنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟

جی ہاں۔ پاکستان اور ترکیہ دنیا کی بہترین عسکری صلاحیت رکھنے والی ریاستوں میں سے ہیں۔ مئی 2025ء میں، پاکستان نے بھارت کو اس حد تک کچل دیا تھا کہ کشمیر کی آزادی ناگزیر ہو چکی تھی۔

تاہم، ترکیہ ایک سیٹلائٹ ریاست کے طور پر امریکی خارجہ پالیسی کے مدار میں قائم ہے اور پاکستان مسلم دنیا کی سب سے طاقتور ریاست ہونے کے باوجود امریکہ کی ایک مطیع و تابع ریاست بنا ہوا ہے۔

اس طرح، وہ امریکی خارجہ پالیسی کی ہدایات کے مطابق ہی حوثیوں کے حملوں کو روکیں گے یا نہیں روکیں گے۔

ایران پر جنگ سے پہلے، امریکہ نے انہیں حوثیوں کو روکنے کا کوئی حکم نہیں دیا تھا؛ اور ایران پر جنگ شروع ہونے کے بعد اور حوثیوں کی جانب سے سعودی عرب کے حملوں کا جواب دینے کے بعد بھی، امریکہ نے انہیں حوثیوں کے حملے روکنے کا حکم نہیں دیا، کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ حوثی متحدہ عرب امارات کے فرنٹ اور امارات کے پیچھے کھڑے برطانیہ کے ایجنٹوں کو بے دخل کر دیں۔

اب، اگر ایران ترغیب (carrot) کا مثبت ردِ عمل نہیں دیتا، تو امریکہ ترکیہ اور پاکستان کی افواج کے ڈنڈے (stick) سے ایران پر ضرب لگائے گا۔

سوال 8: کیا پاکستان کی مداخلت بھارت کے مقابلے میں اس کی عسکری تیاری کو متاثر کرتی ہے؟

جی ہاں، یہ بالکل متاثر کرتی ہے۔ یقیناً، پاکستان اپنی مادی صلاحیتوں اور اپنے فوجیوں اور افسران کے ایمان کی بدولت ایک سے زائد محاذوں پر جنگ کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی مضبوط ہے۔ تاہم، امریکہ کی ایجنٹی اور آلہ کار بننے کی وجہ سے، پاکستان کے حکمران اب بھارت کے خلاف اس کی عسکری تیاری کو خود نقصان پہنچا رہے ہیں۔

اس نے سعودی عرب میں کم از کم 30,000 اور زیادہ سے زیادہ 40,000 فوجی اہلکار تعینات کیے ہیں تاکہ امریکہ ایران کے حکمرانوں پر اطاعت کے لیے دباؤ ڈال سکے۔

وہ افغانستان اور قبائلی علاقوں میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں فعال طور پر مشغول ہے تاکہ امریکہ افغانستان کے حکمرانوں، یعنی طالبان پر اطاعت کے لیے دباؤ ڈال سکے۔ ٹرمپ بگرام ایئر بیس اور افغانستان میں نایاب معدنی عناصر (Rare Earth Elements) کے بہت بڑے ذخائر پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے۔

امریکہ کی ایجنٹی اور آلہ کاری کی وجہ سے، ہندوؤں اور یہود میں سے اپنے دشمنوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے بجائے، مسلم افواج خود مسلمانوں سے لڑیں گی اور انہیں قتل کریں گی۔

سوال 9: کیا پاکستان کی معیشت کا انحصار سعودی مالی امداد پر ہے؟

جی ہاں، لیکن صرف سعودی عرب پر نہیں۔ پاکستان ایک امیر ملک ہے، جس کے پاس زمین، نوجوانوں، توانائی اور معدنیات کی فراوانی ہے، لیکن ربا (سود) کی وجہ سے اسے غریب بنا دیا گیا ہے۔ اس کی آمدنی کا آدھے سے زیادہ حصہ ربا (سود) کی ادائیگی پر خرچ ہوتا ہے۔ ربا کے گناہ میں ملوث ہونے والی کسی بھی ریاست کے لیے قرض کے جال سے نکلنے کی کوئی راہِ فرار نہیں ہے۔

چنانچہ، پاکستان پچھلے قرضوں کے ربا کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب، یا چین، یا امریکہ، یا بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے نئے قرضے لیتا ہے۔

اس انحصار کو ختم کرنے کا راستہ شرعی احکام کو نافذ کرنا ہے: ربا (سود) کو ختم کیا جائے اور فاسد و بدعنوان عہدیداروں کی ناجائز دولت کو ضبط کر کے اصل واجب الادا قرضوں کی ادائیگی کی جائے۔

سوال 10: امریکی سیکیورٹی چھتری کی ناکامی کے بعد، سیکیورٹی میں اجتماعی خود انحصاری کی طرف علاقائی ریاستوں کی پیش قدمی کے پیچھے کیا حقیقت ہے؟

اپنی طاقت کے عروج پر، امریکہ نے اپنی فوج اور مسلم حکمرانوں کی انٹیلی جنس، اڈوں اور لوجسٹک امداد کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف جنگیں لڑیں۔

اب جبکہ وہ کمزور ہو چکا ہے، امریکہ مسلمانوں کی افواج اور مسلمانوں ہی کی دولت کو استعمال کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگیں لڑنا چاہتا ہے۔ نام نہاد اجتماعی خود انحصاری کی اصل حقیقت یہی ہے۔

حقیقی اجتماعی خود انحصاری تمام مسلم ریاستوں کو ایک واحد اسلامی ریاست کے طور پر یکجا کرنے کے ذریعے حاصل ہو گی، جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی کتاب اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ کی سنت کے مطابق حکومت کرے۔

سوال 11: کیا علاقائی ریاستوں کو الجھانے کے لیے بچھایا گیا امریکی "جال" پاکستان پر واضح نہیں ہے؟

یہ اتنا ہی واضح ہے جتنا کہ آسمان پر سورج روشن ہے۔ امریکی جال، پاکستان کے شعور رکھنے والے بیٹوں اور بیٹیوں پر بالکل واضح ہے، لیکن پاکستان کے حکمرانوں کی واحد فکر امریکہ کے مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ چنانچہ وہ غلامی کے ذریعے خود کو اندھا بنا چکے ہیں۔

پاکستان کے مسلمانوں کے اندر ایران پر امریکہ کی جنگ میں شامل ہونے کی شدید مخالفت پائی جاتی ہے، جو پاکستان کے حکمرانوں پر شدید دباؤ پیدا کر رہی ہے۔ سوشل میڈیا، مساجد اور مسلمانوں کی کام کی جگہوں پر مسلمانوں کے درمیان فتنے کی اس نئی جنگ کے خلاف شدید مخالفت کی لہر موجود ہے۔

جہاں تک پاکستان کے حکمرانوں کا تعلق ہے، وہ اپنی "ہارڈ اسٹیٹ" (سخت گیر ریاست) کی پالیسی کے مطابق، حسبِ معمول دھمکیوں اور ڈرانے دھمکانے سے جواب دے رہے ہیں۔ وہ امریکی مفادات سے آگے کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے لیے خارجہ پالیسی "امریکہ فرسٹ" کا نام ہے، اگرچہ وہ زبانی کلامی "پاکستان فرسٹ" کا نعرہ لگاتے ہیں۔

سوال 12: کیا پاکستان بالآخر اس خطے کی دلدل میں دھنس جائے گا؟

جی ہاں اور جی نہیں!

جی ہاں، اگر پاکستان اسی طرح امریکہ کے تابع رہتا ہے اور ٹرمپ کے ایجنٹ اس پر حکومت کرتے رہتے ہیں، تو وہ کم از کم مہینوں اور غالباً سالوں تک اس خطے کی دلدل میں دھنسا رہے گا۔

لیکن جی نہیں، اگر پاکستان کے مسلمان اور ان کی مسلح افواج کے مخلص افسران غداروں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور امریکی منصوبے کو الٹنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں کے لیے واجب ہے کہ وہ حزب التحریر کے شباب کے ساتھ مل کر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ وہ مسلح افواج کے افسران میں موجود اپنے تمام دوستوں اور رشتہ داروں سے رابطہ کریں، اور ان سے مطالبہ کریں

کہ وہ اسلام کی بطور نظامِ زندگی بحالی، ایک واحد امام کے تحت تمام مسلمانوں کی وحدت، اور زمین پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کا غلبہ قائم کرنے کے لیے دعوت وجہاد کی خاطر حزب التحریر کو نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کریں۔

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾

"اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"[سورۃ یوسف:21]

فہرست

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)۔